فروری ۱۹۶۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیر ادارت

امین احسن اصلاحی

قیمت فی پرچہ: ساٹھ پیسے
سالانہ: چھ روپے (بارہ شلنگ)

جلد ۶
شمارہ ۲

ماہنامہ میثاق لاہور

شعبان۔ رمضان ۱۳۸۱ھ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
مینیجر ماہنامہ میثاق رحمانپورہ اچھرہ لاہور-۱۲-۹

فہرست مضامین

تذکرہ و تبصرہ ——— امین احسن اصلاحی ——— ۲

تدبر قرآن

تفسیر سورۂ بقرہ ——— " ——— ۹

مطالعۂ حدیث

مسئلہ تصویر ——— مولانا عبدالغفار حسن صاحب ——— ۲۵

افاداتِ فراہیؒ

ایمان ——— جناب خالد مسعود صاحب ——— ۲۸

مقالات

اتباعِ نفس ——— مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی ——— ۳۵

اقتباسات و تراجم

سائنس کا اعترافِ حقیقت ——— جناب خالد مسعود صاحب ——— ۴۶

تقریظ و تنقید ——— (خ-م) ——— ۵۲

ہندوستانی خریداروں کے لئے ترسیل زر کا پتہ
مینیجر ماہنامہ الفرقان کچہری روڈ- لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

اسلام، اسلامی نظام، اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے حق میں جہاں تک خراج تحسین ادا کرنے کا تعلق ہے یہ کام جس فیاضی کے ساتھ ہمارے ملک میں ہو رہا ہے اس فیاضی کے ساتھ شاید ہی کسی ملک میں ہو رہا ہو۔ اوپر سے لے کر نیچے تک جو لوگ کسی درجہ میں بھی اس پوزیشن میں ہیں کہ اپنی قوم کو مخاطب کر سکیں وہ یہی کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ہماری کامیابی اور ترقی اگر ہے تو بس اسلام کے پورے طور پر اختیار کر لینے ہی میں ہے۔ ہمارے محترم صدر ریاست کی تقریریں تو اس پہلو سے شروع ہی سے ممتاز رہی ہیں، ان کے محترم رفقاء نے بھی ہمیشہ یہی بات کہی ہے، کمشنروں اور ضلعوں کے حکام تک بھی جب کبھی پبلک میں زبان کھولتے ہیں تو یہی بات کہتے ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مذاکرہ و مباحثہ کی جو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ان میں بھی چھوٹوں اور بڑوں سب کی زبانوں سے یہی صدا سنائی دیتی ہے۔ اخبارات بھی یہی لکھتے ہیں۔ اہل سیاست تو اب رہے نہیں، ہوتے تو وہ بھی یہی پکارتے ہوتے اس لئے کہ جب تک وہ میدان میں رہے یہی پکارتے رہے۔ علماء کا ذکر ہم اس لئے نہیں کرتے کہ ان کا تو وظیفہ ہی ہمیشہ اسلام رہا ہے۔ عوام بیچارے گو زبان نہیں رکھتے لیکن ان کے دلوں کی بات اگر ان کی پیشانیوں سے پڑھی جا سکے تو ہر شخص پڑھ سکتا ہے کہ اسلام کو وہ سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں لیکن وہ اس کو چاہتے ضرور ہیں۔

لیکن اس واضح حقیقت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ پاکستان بننے کے بعد زندگی کے دوسرے میدانوں میں ہم نے جو ترقی بھی کی ہو لیکن جہاں تک اسلام، اسلامی تعلیم اور اسلامی اخلاق و تہذیب کا تعلق ہے، ان میں نہ صرف یہ کہ ہم نے کوئی ترقی نہیں کی ہے بلکہ ان کے جو بچے کھچے آثار ہماری زندگیوں میں باقی تھے وہ بھی ہم نے مٹائے ہیں۔ البتہ انگریزوں سے ان کی تہذیب و معاشرت کی جو چیزیں ہم نے اختیار کی تھیں ان میں ادھر چند سالوں کے اندر اندر بڑا غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ ہماری زندگی کے جو شعبے ابھی تک مغربی اثرات سے بالکل پاک تھے یا بہت کم متاثر تھے وہ بھی اب اتنی تیزی سے بدل رہے ہیں کہ اگر اس چیز کو قومی ترقی کے لئے معیار مان لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ ہماری قوم بڑی تیز روی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ مغربی تہذیب کی جو باتیں ایک خاص طبقہ کے اندر محدود تھیں وہ اب عام ہو رہی ہیں۔ جو چیزیں عیب خیال کی جاتی تھیں وہ اب ہنر سمجھی جانے لگی ہیں، جو باتیں حال حال افراد اختیار کرتے تھے، اور وہ بھی ڈرتے ڈرتے اور شرماتے شرماتے، اب ہمارے تہذیبی اداروں، ہماری کلچرل سوسائٹیوں اور ہمارے تعلیمی مرکزوں میں ان کی باقاعدہ تربیت دی جا رہی ہے۔ زنا، شراب، رقص و سرود، بے پردگی، عریانی، فحاشی، سینما، سود، رشوت، قمار بازی، ٹیڈی ازم اور اس قبیل کی تمام برائیاں اپنے تمام نتائج و لوازم کے ساتھ روز بروز ترقی پذیر ہیں اور ان میں سے ہر چیز وقت کا فیشن بنتی جا رہی ہے۔

اس کے بالمقابل مسجدیں ویران ہوتی جا رہی ہیں، دینی مدرسوں میں خاک اڑ رہی ہے دین کے جاننے والے اٹھتے چلے جا رہے ہیں اور جو جگہیں خالی ہو رہی ہیں ان کے بھرنے والے نہیں پیدا ہوتے۔ اسلامی رسائل و اخبارات آہستہ آہستہ دم توڑ رہے ہیں۔ مذہبی طبقہ کی کس مپرسی جو پہلے بھی کچھ کم نہ تھی اب اپنی آخری حد کو پہنچ رہی ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس اسلام کے چاہنے والے اور اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں ذریعہ کامیابی و نجات قرار دینے والے ہم سب ہیں آخر وہ کہاں ہے؟ اگر اسلام یہی کچھ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسلام کا وہ خاص کارنامہ کیا ہے جو انسانیت

کی اصلاح و تہذیب کے سلسلہ میں اس نے انجام دیا ہے؟ یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ یہ چیزیں تو اسلام سے پہلے کی جاہلی تہذیبوں میں بھی بدرجۂ کمال موجود ہی ہیں اور اسلام کے بعد بھی جاہلی تہذیبوں کی رونق انہیں چیزوں سے رہی ہے — اگر یہ چیزیں اسلام نہیں ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے حق میں خراجِ تحسین ادا کرنے والوں نے ان جاہلی چیزوں کے مٹانے کے لئے اور ان کی جگہ پر اسلامی اقدار کو فروغ دینے کے لئے مثبت طور پر کیا قدم اٹھائے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے لیڈروں پر عائد ہوتی ہے۔ پورے نظامِ زندگی کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنا اور موجودہ تہذیب و ثقافت کو اسلام کے رنگ میں رنگنا نہایت اہم بنیادی تبدیلیوں کا بھی تقاضا کرتا ہے اور مؤثر عملی مثالوں کو بھی چاہتا ہے۔ بغیر ان دونوں چیزوں کے موجود ہوئے جلسوں میں تقریریں تو اسلام کی تعریف میں کی جا سکتی ہیں۔ لیکن زندگی میں کوئی عملی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ یہ چیزیں، ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ عوام کے پیدا کرنے کی نہیں ہیں۔ عوام تو جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے بڑوں کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اور ان کی اسکیموں اور ان کے پروگراموں کو بروئے کار لانے میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ اس کام کے لئے ہمارے عوام خدا کے فضل سے ہمیشہ بڑے سعادتمند رہے ہیں۔ وہ اسلام کے نام پر غیر اسلام بھی اختیار کر لیتے ہیں تو اسلام کے اختیار کرنے میں انہیں کیا تردد ہو سکتا ہے اگرچہ اس راہ میں انہیں کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں اسلام کی تعبیر میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ ہمارے علماء اور عوام کا اسلام کچھ اور ہے اور ہمارے تجدد پسند طبقہ کا اسلام کچھ اور ہے۔ ہمارے علماء ہر بات میں قرآن، حدیث اور فقہ کو پیش کرتے ہیں اور ہمارا تجدد پسند طبقہ قرآن و حدیث سے زیادہ اپنے سامنے یہ اصول رکھتا ہے کہ "جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ اچھا ہے اور جو اچھا ہے وہ اسلام ہے"۔ اس امر میں تو شبہ نہیں کہ جو اچھا ہے وہ اسلام ہے لیکن اس اصول سے ہمیں اختلاف ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ بھی لازماً اچھا ہے۔ کسی چیز کے اچھے ہونے کے لئے اصلی سند اسلام ہے لیکن ان لوگوں

کے سامنے اصلی سند یورپ اور امریکہ کی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو قومیں آج چاند اور مریخ پر کمندیں پھینک رہی ہیں ان کا کوئی طریقہ غلط کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کو قرآن و حدیث کا حوالہ دیتا ہے کہ یہ چیزیں ان کے خلاف ہیں تو اس کا جواب ان کے پاس یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی تعبیر کا حق صرف مولویوں ہی کو نہیں ہے بلکہ خود ان کو بھی ہے۔

ہم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ اسلام کی تعبیر پر کسی مخصوص گروہ کا اجارہ نہیں ہے لیکن ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی کسی کے لئے انکار کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے کہ اسلام کی تعبیر اسلام کے علم اور اس کے اندر گہری بصیرت کی محتاج ہے۔ اگر اس کام کے لئے کسی علم اور بصیرت کی ضرورت تسلیم کرنے سے کسی کو انکار ہو تو پھر عطائی ڈاکٹروں اور طبیبوں پر بھی کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کے علم کے بغیر جب زید اسلام کی تعبیر کر سکتا ہے تو بکر ڈاکٹری کے علم کے بغیر فنِ طبابت پر لیکچر کیوں نہیں دے سکتا اور کسی مریض کا علاج کیوں نہیں کر سکتا؟ اگر اس کے علاج سے پبلک کے جسم و جان کے لئے خطرہ ہے تو اس کے اجتہاد سے لوگوں کے دین و ایمان کے لئے کیوں خطرہ نہیں ہے۔

ہمارے تجدد پسند طبقہ کی طرف سے ایک اصطلاح بڑی کثرت کے ساتھ "اسلام کی روح" کی بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس وقت بہت سارے کام جو ہمیں تم کو اسلام کے خلاف نظر آتے ہیں ان کے متعلق بڑے اطمینان کے ساتھ یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ یہ چیزیں "روحِ اسلام" کے مطابق ہیں۔ ہم اسلام کے اندر روح کے تو قائل ہیں لیکن کسی ایسی روح کے قائل نہیں ہیں جو اس کے سارے ظاہری نظام کا تیا پانچہ کر کے رکھ دے۔ کسی امر کے متعلق یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ یہ روحِ اسلام کے مطابق ہے یا نہیں صرف ہمارا ذوق اور رجحان کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے فی الواقع اسلامی شریعت کے گہراؤ کے اندر آدمی کو اترنا پڑتا ہے۔ کسی معاملہ میں شریعت کا حکم بتا دینے کا کام تو شریعت کا ایک متوسط درجہ کا علم رکھنے والا آدمی بھی کر سکتا ہے لیکن اگر اسے کسی پیش آمدہ معاملہ میں شریعت کی روح کے مطابق فیصلہ کرنا ہو تو اس سے دس گنے علم کی ضرورت

ہوگی۔ معاملہ کی اس اہمیت کی وجہ سے ہمارے اندر ماضی میں بھی ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوئی ہے جن پر مسلمانوں نے یہ اعتماد کیا ہو کہ وہ روحِ اسلام کے شناسا تھے۔

ہم اس بات کو بڑی مبارک بات سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہاں کتاب وسنت کا نام ہر موقع پر لیا جا رہا ہے ہمارے ایمان واسلام کا تقاضا بلاشبہ یہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ اسلام کی تعبیر میں ہمارے نئے اور پرانے طبقات میں جو فرق ہے اس کو دور کیا جائے۔ یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کے درمیان بُعد المشرقین ہے۔ معمولی فاصلہ ہو تو یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ حالات اور تجربات خود بخود رفتہ رفتہ دونوں کو کسی ایک نقطۂ اتحاد اور ایک سنگھم پر پہنچا دیں گے لیکن اتنی دوری کی موجودگی، اندیشہ ہے کہ آئندہ ہر قدم پر دوری ہی کو بڑھائے گی۔ جو لوگ اس ملک کے استحکام کو عزیز رکھتے ہیں اور ساتھ ہی اس میں اسلام کے مستقبل کو بھی روشن دیکھنے کے متمنی ہیں، انہیں اس صورتِ حال کی بڑی فکر ہونی چاہیئے۔ کتاب وسنت کا نام لیتے ہوئے ایسی باتیں کرنا جو کتاب وسنت کے خلاف ہیں یا کم از کم جن کو دین کے جاننے والے دین کے خلاف سمجھتے ہیں نہ کتاب وسنت کی کوئی خدمت ہے نہ اس ملک کی کوئی خدمت ہے بلکہ اس سے کہیں بہتر ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جو کچھ بھی کرنا ہو وہ وقت اور زمانہ کے فتوے کی سند پر کیا جائے۔ خواہ مخواہ اس بیچ میں کتاب وسنت کا حوالہ دے کر اپنے اوپر عند اللہ اور عند الناس ایک خطرناک قسم کی ذمہ داری نہ لی جائے۔ اس کا فائدہ کچھ بھی نہیں ہے اور اس سے بلاوجہ دعویٰ کرنے والے خود بھی ہلکے بنتے ہیں اور خلق کے سامنے کتاب وسنت کا بھی استخفاف ہوتا ہے۔

اگر ہم فی الواقع اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنا اور اس ملک میں اسلامی نظامِ زندگی قائم کرنا چاہتے ہیں تو چند باتیں ہمیں حتمی طور پر طے کر لینی پڑیں گی۔

ایک یہ کہ مغربی نظامِ زندگی اور مغربی تہذیب ومعاشرت اسلام سے بالکل متغایر چیزیں ہیں۔ ان دونوں کے درمیان قدرِ مشترک اتنا کم اور قدرِ مختلف اتنا زیادہ ہے کہ ان کو ایک ساتھ

جوڑنے کی کوشش صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان میں سے کسی ایک سے یا دونوں ہی سے بالکل بے خبر ہوں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کا اختیار کرنا ناممکن اور محال ہے۔ اگر دونوں کو اختیار کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کی عملی شکل یہ بنے گی کہ کلمہ تو رحمان کا رہے گا اور کام شیطان کا ہوگا۔ بعض لوگ از راہ ہمدردی یہ کہتے ہیں کہ اگر اسلام اتنا بے لچک ہے تو اس زمانہ میں تو وہ نہیں چل سکتا۔ جہاں تک اس کے چلنے چلانے کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری تو اس کے بھیجنے والے پر ہے اور ہمارا ایمان یہی ہے کہ وہ ہر زمانہ میں چل سکتا ہے لیکن یہ ہم واضح طور پر جانتے ہیں کہ اس مغربی تہذیب کے ساتھ، جس کے دلدادہ ہم اور آپ ہیں یہ ایک قدم بھی چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

دوسری بات یہ کہ اسلام کی تعبیر کرنے کا حق، کوئی شخص پسند کرے یا نہ کرے، لیکن ہے صرف انہی لوگوں کو جو قرآن و حدیث میں گہری بصیرت رکھتے ہوں۔ نقل کی شہادت بھی یہی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے جو لوگ یہ بصیرت نہیں رکھتے وہ اگر اسلام کی تعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اپنے اوپر ایک ایسی ذمہ داری لیتے ہیں جس کے نتائج سے وہ واقف نہیں ہیں۔ عام اس سے کہ اس طرح کی جسارت کرنے والے مولویوں کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں یا غیر مولویوں کے طبقہ سے۔ اگر فی الواقع ہمیں اسلام مطلوب ہے تو اس کا راستہ صرف یہی ہے کہ ہم اسلام میں خود بصیرت حاصل کریں یا ان لوگوں پر اعتماد کریں جو اسلام میں بصیرت رکھتے ہیں قطع نظر اس سے کہ ہم انہیں اپنے ذوق کے خلاف پاتے ہیں یا اس کے موافق۔ اگر اس صحیح راستہ سے ہٹ کر یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ "جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ اچھا ہے اور جو اچھا ہے وہ اسلام ہے" تو اس دنیا میں چل جانے کو تو وقتی طور پر ہر چیز چل جاتی ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ جڑ صرف وہی چیز پکڑتی ہے جس کے اندر حقیقت ہوتی ہے۔ باقی چیزیں اپنی مہلت گزار چکنے کے بعد جھاگ کی طرح اڑ جایا کرتی ہیں۔

تیسری چیز یہ کہ اسلام بڑے عزم و ہمت کا طالب ہے۔ جن لوگوں نے ماضی میں اس کو قائم کیا انہوں نے اس کے لئے اپنے آسمان و زمین الگ بنائے۔ آئندہ بھی جو لوگ اس کو قائم کرنا چاہیں گے انہیں اپنے آسمان و زمین الگ بنانے پڑیں گے۔ اس کی اساسات دنیا

کے تمام مذاہب، تمام تہذیبوں اور تمام نظامات کی اساسات سے بالکل مختلف ہیں او[illegible] جہ سے کسی بھی دوسرے نقشہ پر اس کی تعمیر نو ممکن نہیں ہے اور درحقیقت یہی اسلام ہے جس کی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ جو اس سے ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا اور جس پر وہ گرے گا اس کو چکنا چور کر دے گا۔ یہی اسلام ہے جس کو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے قائم کیا تھا ا[illegible] توقع ہر باطل کے لئے خطرہ تھا لیکن اس کو کسی چیز سے بھی خطرہ نہیں تھا۔ آج بھی [illegible] بھی اور مغربیت کے خطرات کا فی الواقع مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسی اسلام کے ز[illegible] و دور صلہ لئے کمر ہمت باندھنی پڑے گی۔ صرف اسلام کے نام میں کوئی ایسا جادو نہیں ہے کہ اس سے ورد سے تمام خطرات دور ہو جائیں گے۔

یہ گزارشات ہم کسی خاص طبقہ کو مخاطب کر کے نہیں پیش کر رہے ہیں بلکہ اپنے ہر طبقہ کو کے پیش کر رہے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے دعو[illegible] مخلص بنیں۔ خاص طور پر ہمارے لیڈروں اور علماء کی ذمہ داری بڑی اہم ہے۔ خدا کے ہاں جو پرسش ان سے ہو گی وہ کسی سے بھی نہیں ہو گی۔ حضرات علماء کی خدمت میں ہمیں یہ گزارش بھی کرنی ہے کہ اس وقت ان کا ایک بہت بڑا طبقہ جس قسم کے نزاعی مسائل میں الجھا ہوا ہے وہ کسی درجہ میں بھی دین کے مسائل نہیں ہیں۔ ان میں الجھ کر اور دوسروں کو الجھا کر وہ خلق پر دین کی حجت تمام نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے اوپر خدا کی حجت تمام کر رہے ہیں۔ انہیں وقت کی سمجھنی چاہیئے۔ اگر وہ اس وقت اسلام کے لئے کوئی مفید کام نہیں کر سکتے تو کم از کم غیر ضروری بحثیں چھیڑ کر اسلام سے ناواقفوں کی نظر میں اسلام کو مضحکہ نہ بنائیں۔

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورہ بقرہ

(۲۲)

وَاِذَا قِیۡلَ ..... وَھُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمۡ | یعنی جب ان کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ بڑے غرور کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس چیز پر تو ایمان رکھتے ہی ہیں جو ہم پر اتری ہے۔ اس کے بعد ان کے قول کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے یعنی تورات کے بعد وہ کسی چیز پر ایمان لانے کے قائل نہیں ہیں حالانکہ اب تورات کی اپنی پیشینگوئیوں کے مطابق بھی صحیفۂ حق وہی ہے جس کو قبول کرنے کی ان کو دعوت دی جا رہی ہے نہ کہ تورات۔

قُلۡ فَلِمَ ..... اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ | یہ واضح کرنے کے بعد کہ قرآن کے نازل ہو جانے کے بعد معتبر ایمان وہی ہے جو قرآن پر ہو نہ کہ صرف تورات پر۔ یہ واضح فرمایا کہ ان یہود کا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی بالکل بے بنیاد ہے۔ اگر یہ فی الواقع تورات پر ایمان رکھنے والے ہوتے تو اللہ کے ان نبیوں کو قتل کرنے کی جسارت کس طرح کرتے جو اسی تورات کی تجدید و تصدیق کے لئے آئے۔

وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ ..... وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ | یہ یہود کے دعوائے ایمان کی مزید تردید ہے اور اس تردید کا خاص پہلو یہ ہے کہ ان کی ابتدائی تاریخ کے واقعۂ گوسالہ پرستی کو یاد دلا کر ان کو سرزنش کی گئی ہے کہ آج تم نے اپنے ایمان اور اپنی دینداری کی حکایت اتنی بڑھا رکھی ہے کہ نہ قرآن کو خاطر میں لانے کے لئے تیار ہو نہ پیغمبر آخر الزمانؐ کو، حالانکہ تمہارے اس ایمان کا حال آج تو درکنار شروع سے یہ رہا ہے کہ عین موسیٰؑ کی موجودگی میں، ان کے کھلے

کھلے معجزات کو دیکھتے ہوئے تم نے اپنے رب کو چھوڑ کر ایک بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔

یہود کے اسی قسم کے فخر پر بعض پچھلے انبیاء نے بھی ان کو سرزنش کی ہے اور اسی واقعہ گوسالہ پرستی کی طرف تعریض کرتے ہوئے یہ الفاظ تک فرمائے ہیں کہ "اے اسرائیل (بنی اسرائیل) تو تو وہ ہے کہ تو نے پہلی شب میں بیوفائی کی" قرآن کے الفاظ اس کے اپنے مرتبہ کے شایان شان ہیں لیکن بات وہی کہی گئی ہے جو سابق انبیاء نے فرمائی تھی۔

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ٹھیک وَاَنْتُمْ مُشْرِكُوْنَ کے معنی میں ہے۔ قرآن میں شرک کو متعدد مقامات میں ظلم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظلم کا اصلی مفہوم حق تلفی ہے خدا کے حقوق اور خود اپنے نفس کی جو حق تلفی آدمی شرک کا ارتکاب کر کے کرتا ہے وہ کسی بھی اور دوسرے طریقہ سے نہیں کرتا۔ اس کی وضاحت قرآن مجید نے متعدد مقامات میں کی ہے۔ ان الشرك لظلم عظيم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ ...... قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا | اسی سورہ کی آیت ۶۳ کی تفسیر کرتے ہوئے اس ٹکڑے کے تمام اہم اجزاء کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔ یہاں یہود کا یہ جواب جو نقل ہوا ہے، قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی) یہ صورتِ حال کی تعبیر ہے۔ انہوں نے عہد تو یہی کیا تھا کہ "ہم نے سنا اور ہم اطاعت کریں گے"۔ لیکن عمل ان کا یہی ہوا کہ انہوں نے جو کچھ سنا اس کی نافرمانی کی۔ اس صورتِ حال کو، جو ان کے عمل سے ظاہر ہوئی قرآن نے ان کے قول کی جگہ رکھ دیا ہے، گویا انہوں نے شروع ہی میں اقرار اطاعت کا نہیں بلکہ نافرمانی کا کیا تھا۔

منافقین اور یہود آنحضرت صلعم کی مجلس میں جب کبھی آتے تو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کی جگہ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہی کہتے لیکن ادا اس طرح کرتے کہ سننے والا عَصَيْنَا کو اَطَعْنَا سمجھے۔ یہ روش انہوں نے اپنے اسلاف ہی سے سیکھی تھی۔ بس فرق یہ تھا کہ وہ اَطَعْنَا کہتے اور اس سے عَصَيْنَا مراد لیتے اور یہ عَصَيْنَا کہتے اور یہی مراد بھی لیتے لیکن زبان کو توڑ مروڑ کر مغالطہ یہ دیتے کہ مسلمان ان کے عَصَيْنَا کو اَطَعْنَا سمجھیں۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ ...... فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ | اوپر آیت ۹۰ میں یہ

بات گذر چکی ہے کہ یہود اس بات سے بہت برافروختہ ہوتے تھے کہ خدا کے کسی فضل و انعام کا حق دار ان کے سوا کسی اور کو بھی سمجھا جائے۔ وہ دنیا میں بھی ہر خدائی نعمت کا حقدار اپنے ہی کو سمجھتے تھے اور آخرت کی نعمتوں کا حقدار بھی تنہا اپنے ہی کو سمجھتے تھے۔ قرآن نے ان کو متنبہ کیا کہ اگر تم فی الواقع آخرت کی تمام کامیابیاں اپنا ہی حصہ سمجھتے ہو، اس میں دوسروں کا کوئی حصہ تسلیم نہیں کرتے تو اس کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیئے کہ تمہیں لقائے رب کا شوق ہو اور تم اس کے لئے موت کی آرزوئیں کرو، لیکن تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم زندگی کی محبت میں اہل کتاب ہو کر عرب کے مشرکوں کو بھی مات دے گئے ہو۔

قرآن نے یہود کی یہ ایک بہت دکھتی رگ پکڑی ہے تاکہ خدا کے محبوب و مقرب ہونے کا ان کو جو گھمنڈ تھا اس پر ذرا وہ شرمائیں۔ اگرچہ وہ اپنی عادت کے مطابق بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس بات کے جواب میں کہہ سکتے تھے کہ ہم تو موت کی بڑی آرزو رکھنے والے لوگ ہیں لیکن آدمی سے خود اپنے دل کا حال چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے یہ حقیقت ان کے لئے بڑی تلخ اور ان کو خود ان کی نگاہوں میں بڑی رسوا کرنے والی تھی۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ..... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ | یعنی اللہ تعالیٰ سے قرب اور آخرت کی اجارہ داری کے ادعا کے باوجود موت کی آرزو یہ کبھی نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا اور اس کی شریعت کے ساتھ جو بدعہدیاں اور غداریاں انہوں نے کی ہیں وہ دوسروں کے سامنے ہوں یا نہ ہوں لیکن خود ان سے یہ ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ اس وجہ سے موت کے تصور سے ان پر لرزہ طاری ہوتا ہے لیکن موت سے یہ کب تک بھاگیں گے اور اس سے بھاگ کر کہاں جائینگے بالآخر ایک دن موت سے دوچار ہونا اور اس رب کے سامنے حاضر ہونا ہے جو ان ظالموں کے تمام اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اس حقیقت کو سورۂ جمعہ میں اس طرح واضح فرمایا ہے۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۶) (کہہ دو وہ موت جس سے تم بھاگ رہے ہو تمہیں پا کے رہے گی پھر تم غیب اور حاضر کے جاننے والے کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور وہ تمہیں ان ساری باتوں سے آگاہ کرے گا جو تم کرتے رہے ہو)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا | یعنی ایک طرف تو خدا کے ساتھ محبت و محبوبیت کے یہ دعوے ہیں، دوسری طرف زندگی کی محبت کا یہ حال ہے کہ ساری دنیا سے زیادہ زندگی کے حریص یہ ہیں۔ یہاں تک کہ اس معاملہ میں یہ عرب کے ان مشرکوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں جن کے ہاں یہ دنیا ہی دنیا ہے آخرت کا جن کے سامنے سرے سے کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

قرآن نے ایک سے زیادہ مقامات میں یہود کا موازنہ مشرکین عرب سے کر کے یہ دکھایا ہے کہ یہ عقیدہ اور عمل دونوں ہی اعتبارات سے مشرکین سے بھی گئے گذرے ہوئے ہیں۔ مشرکین کتاب و شریعت سے بے بہرہ ہونے کے سبب سے قدرتی طور پر فکری اور اخلاقی حیثیت سے نہایت پست سطح پر تھے۔ قرآن نے یہ واضح کیا ہے کہ کتاب اور شریعت کے نہایت بلند بانگ دعاوی کے باوجود اخلاقی اعتبار سے یہ یہود مشرکین کو بھی شرماتے ہیں حالانکہ یہ ان کو نہایت حقیر سمجھتے ہیں۔

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ ..... وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ. | اس کا ایک ترجمہ تو وہی ہو سکتا ہے جو ہم نے کیا ہے۔ دوسرا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو اس کی عمر کی درازی اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ معنی کے اعتبار سے دونوں ترجموں میں کوئی فرق نہیں ہے اور زبان کے قواعد کے لحاظ سے بھی میرے نزدیک دونوں صحیح ہیں۔ لیکن اکثر اہل تاویل نے اختیار اسی دوسرے کو کیا ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ یعنی لمبی سے لمبی عمر بھی کسی کے اعمال کو خدا سے چھپا نہیں سکتی۔ خدا ان ساری چیزوں کو دیکھ رہا ہے جو یہ کر رہے ہیں اور جب دیکھ رہا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ان کا بدلہ نہ دے۔ یہاں دیکھنے سے مراد وہ چیز ہے جو اس دیکھنے سے لازم آتی ہے۔ کلام کا یہ اسلوب قرآن مجید میں بے شمار مواقع میں استعمال ہوا ہے۔

(۴۲) مذکورہ بالا مجموعۂ آیات کا نظم اور اس کا مضمون

یہود کے لئے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے معاملہ میں جو چیز حجاب بن گئی تھی وہ ان کا یہ گھمنڈ تھا کہ وہ خود کتاب اور شریعت

کے حامل ہیں اور ایک ایسے برگزیدہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کو خدا نے دینی و مذہبی پیشوائی اور دنیا و آخرت دونوں میں اپنی محبت و محبوبیت کے لئے خاص کر لیا ہے، ایک ایسا برگزیدہ گروہ اوّل تو اس بات کا محتاج ہی کب ہے کہ وہ کسی اور کتاب و شریعت پر ایمان لائے ثانیاً اس کے سوا کسی اور کو اللہ تعالےٰ کتاب اور شریعت دے کس طرح سکتا ہے؟

قرآن نے یہاں پہلے ان کے اس استکبار پر ضرب لگائی اور فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو کتاب و شریعت کا جو حامل سمجھتے ہیں وہ محض ایک خیالِ باطل ہے، اس لئے کہ ان سے خدائے واحد ہی کی عبادت، والدین، اقربا اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک، نماز اور زکوٰۃ کی پابندی اور اپنے بھائیوں کی نصرت و حمایت کا جو ابتدائی عہد لیا گیا تھا اس کو انہوں نے توڑ ڈالا اور اس عہد کی تجدید اور یاد دہانی کے لئے جو انبیاء بھیجے گئے ان کی بھی یا تو انہوں نے تکذیب کی یا ان کو قتل کر ڈالا۔ ایسی صورت میں ان کا یہ دعوےٰ کہ وہ کتاب و شریعت کے حامل ہیں، کیا وزن رکھتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ قرآن ان پیشینگوئیوں کے مطابق نازل ہوا ہے جو ان کے صحیفوں میں موجود ہیں اور یہ اس کے منتظر بھی رہے ہیں۔ لیکن اب جب کہ یہ موعود و منتظر چیز ان کے پاس آگئی اور انہوں نے اس کو پہچان بھی لیا ہے تو محض اس ضد کے سبب سے اس کی مخالفت کر رہے ہیں کہ اس کو اللہ تعالےٰ نے بنی اسمٰعیل کے ایک فرد پر کیوں اتارا، ان کے اندر کے کسی فرد پر کیوں نہ اتارا۔

اس کے بعد ان کے دعوائے ایمان کی مزید قلعی کھولی ہے کہ یہ اپنے جس ایمان پر اس قدر نازاں ہیں کہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لا رہے ہیں، اس ایمان کا حال شروع سے یہ رہا ہے کہ انہوں نے عین موسیٰؑ کی موجودگی میں گوسالہ پرستی کی اور بعد کے زمانوں میں یہ اللہ کے نبیوں کی تکذیب بھی کرتے رہے اور ان میں سے بعض کو انہوں نے قتل بھی کر دیا۔

پھر ان کے اس زعم کے خلاف کہ آخرت کی تمام سرفرازیاں صرف انہیں کا حصہ ہیں اس لئے کہ وہی خدا کے محبوب اور چہیتے ہیں، خود ان کے باطن کی یہ شہادت پیش کی ہے کہ اگر وہ اپنے اس زعم میں سچے ہیں تو زندگی کے اتنے حریص کیوں بنے بیٹھے ہیں۔ پھر تو انہیں

زندگی کے بجائے موت کا حریص ہونا چاہیئے۔

یہ پوری تقریر جس کا ہر حصّہ باہدگر بالکل مربوط ہے بنی اسرائیل کے سامنے یہ حقیقت واضح کرنے کے لیئے کی گئی ہے کہ قرآن کی مخالفت کے لئے انہوں نے جو پہلو اختیار کیئے ہیں ان میں سے کسی ایک کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں صرف قومی نخوت، ہٹ دھرمی اور حسد پر مبنی ہیں۔

اس تقریر میں کچھ باتیں تو بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے کہی گئی ہیں۔ کچھ ان سے منہ پھیر کر کہی گئی ہیں اور بعض باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلائی گئی ہیں۔ تخاطب کے یہ مختلف اسلوب بلاغت کے تقاضوں کے تحت ہیں۔ جو شخص ان آیات کی تلاوت تدبّر کے ساتھ کرے گا وہ انشاء اللہ خطاب کی ان تبدیلیوں کی خوبیاں خود سمجھ جائے گا، یہ ذوق سے تعلّق رکھنے والی چیزیں بیان کی گرفت میں مشکل سے آتی ہیں۔

(۴۳) اس مجموعۂ آیات کی بعض تعلیمات

اس مجموعہ آیات کی تعلیمات کی طرف تو ہم اس کے اجزاء کی وضاحت کرتے ہوئے اشارہ کرتے آئے ہیں وہ کافی ہے لیکن بعض چیزیں اس میں ایسی بیان ہوئی ہیں جن کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ان کی طرف ہم پھر اشارہ کر دیں۔

(۱) اس میں ایک بڑی اہم حقیقت تو یہ واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ جو شریعت دیتا ہے اس کا حق اس کے ہر جزو پر عمل کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے ان اجزاء پر عمل کرے جو اس کی خواہشات کے موافق ہیں اور جن کو اپنی خواہشات کے خلاف پائے ان کو نظر انداز کر دے تو یہ چیز قرآن کی اصطلاح میں ایمان ببعض الکتاب اور کفر ببعض الکتاب ہے اور اس طرح کا ایمان اللہ تعالےٰ کے ہاں نہ صرف یہ کہ معتبر نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کی سزا قرآن نے یہ بیان کی ہے کہ " ان کے لئے دنیا کی زندگی میں رسوائی ہے اور آخرت میں یہ سخت ترین عذاب کی طرف دھکیلے جائیں گے۔"

(۲) دوسری حقیقت یہ واضح کی گئی ہے کہ قومی تفاخر، گروہی عصبیت اور جماعتی برتری کا زعم قبولِ حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جو گروہ اس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے

اس کے لئے اس حق کے سوا جس کو وہ خود حق قرار دے کسی اور حق کو قبول کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی چیز اس استکبار کی جڑ ہے جسے قرآن میں ابلیس کی خصوصیت بتایا گیا ہے اور اسی سے وہ حسد پیدا ہوتا ہے جو ہر اس حق سے نفرت اور چڑ پیدا کر دیتا ہے جو اپنی خواہشات کے خلاف ہو۔

(۳) تیسری حقیقت یہ واضح کی گئی ہے کہ جس طرح زندگی کی تلخیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنا یا خودکشی کرنا ایمان اور تعلق باللہ کے منافی ہے اسی طرح زندگی اور درازیٔ عمر کا حریص ہونا اور موت سے فرار بھی ایمان اور محبت الٰہی کے منافی ہے۔ جو لوگ خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ سے محبت کرتے ہیں وہ موت سے بھاگتے نہیں بلکہ وہ اللہ کی راہ میں موت کی تمنا کرتے ہیں۔ نیز ضمناً یہاں یہ حقیقت بھی واضح فرما دی ہے کہ جو چیز انسان کو موت سے ڈراتی ہے وہ درحقیقت گناہ اور خدا سے بغاوت کی زندگی ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی کو گناہوں اور نافرمانیوں سے پاک رکھنے کی کوشش کرے تو موت اس کے لئے ایک محبوب چیز بن جاتی ہے۔

۴۴۔ آگے کا سلسلۂ کلام (آیات ۹۷-۱۰۳)

آگے یہود کی اس قرآن دشمنی کی مزید تفصیل کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا کہ یہود اس دشمنی میں اللہ، اس کے ملائکہ، اس کے انبیاء اور جبریل و میکائیل سب کے دشمن بن گئے ہیں اور اس طرح انہوں نے خدا کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس قرآن دشمنی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حق کے دلائل ان پر واضح نہیں ہیں، دلائل تو پوری طرح واضح ہیں لیکن یہ نافرمان اور عہد شکن لوگ ہیں، ابتدا ہی سے ان کی روش یہ رہی ہے کہ جب بھی انہوں نے خدا سے کوئی عہد باندھا ہے اس کو انہی کے اندر کی ایک جماعت نے موقع آنے پر توڑ دیا ہے۔ چنانچہ خدا کے آخری رسول کے بارے میں بھی انہوں نے یہی روش اختیار کی ہے۔ یہ تورات کی پیشینگوئیوں کے عین مطابق آئے ہیں لیکن یہود نے تورات پر ایمان کے مدعی ہوتے ہوئے محض ضد میں آ کر اس طرح کتاب الٰہی کو پیٹھ پیچھے پھینکا ہے گویا اس سے کبھی آشنا ہی نہیں تھے۔ پھر فرمایا کہ ان کی اصل دلچسپی اللہ کی کتاب سے نہیں ہے بلکہ ان سفلی اور شیطانی عملیات سے ہے جو فلسطینیوں اور

گلدانیوں وغیرہ سے انہوں نے سیکھی تھیں، سحر و شعبدہ اور گنڈے، تعویذ وغیرہ کی قسم کی چیزوں نے ان کو خدا کی کتاب سے بالکل بے پروا کر کے ایک بالکل دوسری ہی ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ۝ أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۚ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

"کہہ دو کہ جو جبریل کا مخالف ہوا تو وہ جان لے کہ جبریل نے اس کلام کو تمہارے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے، مطابق ان پیشینگوئیوں کے جو اس کے پہلے سے موجود ہیں اور یہ ہدایت و بشارت ہے اہل ایمان کے لئے، جو اللہ،

اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبریل و میکائیل کے دشمن ہوئے تو ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔

اور ہم نے تمہارے اوپر نہایت واضح دلیلیں اتاری ہیں۔ ان کا انکار صرف عہد شکن ہی لوگ کر سکتے ہیں۔ کیا ان کی یہی روش قائم رہے گی۔ کہ جب جب کوئی عہد کریں گے تو ان کا ایک گروہ اس کو اٹھا پھینکے گا؛ بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے عاری ہیں۔

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول ان پیشینگوئیوں کے مطابق آیا جو ان کے پاس موجود ہیں تو ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی۔ اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے پھینکا گویا اس سے آشنا ہی نہیں اور ان چیزوں کے پیچھے پڑ گئے جو سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے۔ حالانکہ سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں ہی نے کفر کیا۔ یہی لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

اور اس چیز میں پڑ گئے جو بابل میں دونوں فرشتوں۔ ہاروت اور ماروت ـــــ پر اتاری گئی تھی حالانکہ یہ کسی کو سکھاتے نہیں تھے۔ جب تک اس کو خبردار نہ کر دیں کہ ہم آزمائش کے لئے ہیں تو تم کفر میں نہ پڑنا۔ پس یہ لوگ ان سے وہ علم سیکھتے جس سے میاں اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال سکیں۔ حالانکہ یہ اس کے ذریعہ سے خدا کی مشیت کے بغیر کسی کو نقصان پہنچانے والے نہیں بن سکتے تھے اور یہ وہ چیز سیکھتے جو ان کو نقصان پہنچائے، نفع نہ پہنچائے۔ حالانکہ ان کو پتہ تھا کہ جس نے اس چیز کو اختیار کیا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا۔ اے کاش وہ اس کو سمجھتے۔

اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کا ثواب ان کے لئے کہیں بہتر تھا۔ کاش وہ سمجھتے۔

(۴۵) الفاظ اور جملوں کی وضاحت

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ | اس جملہ میں فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ جواب شرط کے محل میں ہے۔ عربی زبان میں جب کبھی شرط کا جواب اس طرح آئے تو اس کے اندر ایک تفصیل پوشیدہ ہوتی ہے جس پر بعد کے جملہ سے روشنی پڑتی ہے۔ یہاں سیاق کلام سے جملہ کا مطلب یہ واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ جبریل کے مخالف ہیں ان پر یہ حقیقت واضح رہنی چاہیئے کہ جبریل کی مخالفت درحقیقت اللہ کی مخالفت ہے کیونکہ جبریل نے خدا کا کلام جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے تو اپنے جی سے نہیں اتارا ہے۔ بلکہ خدا ہی کے حکم سے اتارا ہے۔ جبریل کوئی کام بھی من مانے طور پر نہیں کرتے، جو کچھ کرتے ہیں خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کے حکم کے تحت کرتے ہیں۔ نَزَّلَهُ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۹۱ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ سے چلا آرہا ہے اس وجہ سے یہاں اضمار قبل الذکر کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ یہ بات اوپر والی بات ہی کا ایک جزو ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہود قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضد میں جبریل علیہ السلام کو بھی اپنا مخالف ظاہر کرنے لگے تھے۔ ممکن ہے یہود کے علماء اور لیڈروں کو جب یہ اندیشہ ہوا ہو کہ قرآن کی دعوت ان کے عوام کو کہیں متاثر نہ کر دے تو انہوں نے یہ اشغلہ چھوڑا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ان کے اپنے بیان کے مطابق جبریل فرشتہ آتا ہے اور یہ فرشتہ ہمارا دیرینہ مخالف ہے۔ ہمارے اوپر فلاں فلاں آفتیں اسی کے ہاتھوں آئیں۔ اس وجہ سے ہم کسی ایسے شخص پر ایمان نہیں لا سکتے جس کی ہمارے مخالف فرشتہ سے ساز باز ہے۔

اگرچہ یہ بات بہت عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ یہود حماقت کی اس حد کو پہنچ جائیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگ جائیں لیکن انسان جب ضد، حسد اور فرقہ سازی کے جنون میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس سے کوئی بات بھی بعید نہیں رہ جاتی۔ روافض کے ایک فرقہ کا بھی عقیدہ ہے کہ قرآن دراصل اترنا تو تھا حضرت علیؓ پر لیکن جبریل غلطی سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اس کو لے کر چلے گئے۔ اس فرقہ کے لوگ اس گناہ پر

(نعوذ باللہ) حضرت جبریل امین پر لعنت بھی کرتے ہیں[1]۔

قرآن نے یہود کی اس حماقت پر جو گرفت کی ہے وہ بڑی برمحل اور بڑی ہی سخت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس غصہ میں جبریل علیہ السلام کے مخالف بن بیٹھے ہو کہ انہوں نے یہ وحی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیوں اتاری تمہارے کسی آدمی پر کیوں نہ اتاری تو یہ تو سوچو کہ تمہاری یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ تم اللہ کو بھی اپنا مخالف سمجھتے ہو کیونکہ جبریل بہرحال تمہارے اپنے عقیدہ کے مطابق بھی خدا کے فرشتے ہیں۔ وہ کوئی کام خدا کے حکم کے بغیر نہیں کر سکتے۔ لازماً یہ کام بھی انہوں نے خدا ہی کے حکم سے کیا ہے پھر تم تنہا جبریل ہی کے نہیں بلکہ خدا کے بھی مخالف ہوئے اور خدا بھی تمہارا مخالف ٹھہرا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ میں قرآن کی تین مزید صفتیں بیان ہوئیں۔ ایک یہ کہ وہ پچھلے صحیفوں کا مصدق ہے۔ دوسری یہ کہ وہ راہ حق کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ تیسری یہ کہ جو اس کی رہنمائی قبول کر لیں وہ ان کو آخرت کی فوز و فلاح کی بشارت سنا رہا ہے۔ یہ تفصیل یہاں اس لئے پیش کی گئی ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ یہود کی یہ مخالفت صرف قرآن ہی کی مخالفت نہیں ہے بلکہ خود ان کی اپنی کتاب کی بھی مخالفت ہے۔ وہ اس ہدایت کے بھی مخالف ہیں جو پہلے نازل ہوئی اور اس ہدایت کے بھی دشمن ہیں جو اب دنیا کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئی۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ .... فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ | حضرت جبریل علیہ السلام کی مخالفت سے جس جس کی مخالفت لازم آتی ہے یہ اس کی تفصیل بھی ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس شرارت کی جو سزا ہے اس کا بیان بھی۔ اول درجہ میں

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "رد روافض" میں روافض کے مختلف فرقوں کے عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وطائفہ غرابیہ از ایشاں می گویند کہ محمد بہ علیؓ مشابہ تر بود۔ از مشابہت غراب بغراب و مگس بامگس وحق تعالےٰ وحی بجانب علی فرستادہ بود۔ جبریل از کمال مشابہت غلط کردہ وحی بمحمد رسانید.........وایشاں جبریل را لعن می کنند۔"

تو اس سے خود اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کی مخالفت لازم آتی ہے اس کی وجہ اوپر والی آیت میں بیان ہو چکی ہے کہ جب یہ ایک ایسے کام کی بنا پر جبریل ہی سے خفا ہیں جو جبریل نے خدا کے حکم سے کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ خود خدا کے بھی مخالف ہیں۔ پھر اس سے تمام فرشتوں، تمام رسولوں اور جبریل و میکائیل سب کی مخالفت لازم آتی ہے اس لئے کہ خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں میں کامل ہم آہنگی ہے۔ فرشتے اور انبیاء سارے کام خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کے احکام کے تحت ہی کرتے ہیں۔ اور ایک ہی حزب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہو سکتی۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہوا وہ سب کا مخالف ہوا اور جس نے کسی ایک کی بھی تکذیب کی اس نے سب کی تکذیب کی۔ یہاں یہ اجمالی اشارہ کافی ہے آگے اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

یہاں عام فرشتوں کا ذکر کرنے کے بعد جبریل اور میکائیل کا ذکر خاص طور پر ایک تو ان کی اہمیت کے سبب سے ہے جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر ہوتا ہے۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل، جیسا کہ بعض روایات سے واضح ہوتا ہے، میکائیل فرشتہ کو حضرت جبریل کے برعکس اپنا ہمدرد فرشتہ سمجھتے تھے۔ قرآن نے یہاں حضرت جبریل کے ساتھ حضرت میکائیل کو شامل کر کے یہ واضح کیا ہے کہ جبریل کا مخالف جس طرح اللہ اور اس کے تمام نبیوں اور رسولوں کا مخالف ہے اسی طرح وہ میکائیل کا بھی مخالف ہے اس لئے کہ خدا کے تمام فرشتوں اور تمام رسولوں کی ملت ایک ہے۔ جبریل اور میکائیل دونوں اسی ملت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی رقابت اور چشمک نہیں ہے کہ جبریل سے جن کی لڑائی ہو میکائیل ان سے دوستی گانٹھے رکھیں۔

فان اللہ عدو للکفرین کے ٹکڑے سے بیک وقت دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک تو یہ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں کے مخالف اور دشمن ہیں وہ کافر ہیں اور دوسری یہ کہ اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔ قرآن کے ایجاز بیان نے ان دونوں باتوں کو اس طرح سمیٹ دیا ہے کہ بات بھی پوری ہو گئی ہے اور مخاطب کے لئے انکار اور بحث

کی کوئی گنجائش بھی پیدا نہیں ہونے پائی ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ..... اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ | خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ آیات بینات سے مراد آپ کی نبوت و رسالت کی وہ واضح اور قطعی دلیلیں ہیں جو آپ پر نازل ہوئیں۔ عام اس سے کہ وہ قرآن کے مدلل بیانات کی صورت میں ہیں یا ان کارناموں، علامات، شواہد اور معجزات کی شکل میں جو آپ کے ذریعہ سے ظہور میں آئے۔ فرمایا کہ یہ چیزیں آپ کی نبوت کے ثبوت میں اس قدر واضح ہیں کہ جس کے اندر ذرا بھی معقولیت ہو وہ ان کا انکار نہیں کر سکتا، صرف وہی لوگ ان کا انکار کر سکتے ہیں جو نافرمان اور عہد شکن ہوں۔

فسق کا اصلی مفہوم خدا کی نافرمانی ہے۔ نافرمانی چھوٹی بھی ہو سکتی ہے۔ بڑی بھی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ بڑی سے بڑی نافرمانیوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ سیاق سباق سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بات دلائل و شواہد کی ہو تب تو قرآن کی صداقت واضح ہے لیکن جو لوگ خدا کے ہر عہد و پیمان کو توڑ ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہوں ان کے نزدیک ان دلائل و شواہد کی کیا اہمیت ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا ..... بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ | یہ اسلوب کلام اظہار تعجب اور اظہار حسرت کا ہے۔ اوپر یہود کی عہد شکنیوں کا ذکر کرتے ہوئے بات یہاں تک پہنچی تھی کہ یہی عہد شکنی کی روش انہوں نے اس عہد کے معاملہ میں اختیار کی ہے جو آخری کتاب اور آخری رسول سے متعلق ان سے لیا گیا تھا۔ پھر باندازِ تعجب و اظہارِ حسرت فرمایا کہ کیا ان کی یہی روش ہمیشہ باقی رہے گی کہ جب کبھی یہ خدا سے کوئی عہد باندھیں گے تو وقت آنے پر یہ اس کو توڑ تاڑ کے رکھ دیں گے صرف تھوڑے سے لوگ اس پر قائم رہ سکیں گے۔ پھر اصل حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دینے کے لئے فرمایا کہ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی ان کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو سرے سے ایمان ہی سے عاری ہیں۔ یہ تورات پر ایمان کا دعوے تو کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایمان کسی چیز پر بھی نہیں رکھتے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ ..... كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ | اوپر والی آیت میں یہود کی عہد شکنی کی جس روش کا ذکر ہوا ہے اس آیت میں اسی کی واقعاتی شہادت پیش کر دی گئی ہے کہ دیکھو جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو ان پیشینگوئیوں کے بالکل مطابق ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہیں تو ان کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہے گویا اس سے کبھی کے آشنا ہی نہیں ہیں۔

"رسول" سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لفظ اگرچہ نکرہ کی صورت میں استعمال ہوا ہے لیکن بعد کی صفات اور سیاق و سباق سے مراد متعین ہو جاتی ہے۔ نیز اس سے اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

"کتاب اللہ" سے مراد تورات بھی ہو سکتی ہے اور قرآن بھی۔ تورات مراد لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان اہل کتاب نے اہل کتاب ہو کر اللہ کی کتاب کو نبی آخر الزمان کے معاملہ میں اس طرح نظر انداز کیا ہے گویا اس کو جانتے ہی نہیں۔ قرآن مجید مراد لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ایک کتاب کو شناخت کرنے کے سب سے زیادہ اگر اہل تھے تو یہ تھے۔ اس لئے کہ یہ ایک آسمانی کتاب کے وارث اور امین ہونے کے مدعی بھی تھے اور اس طرح کی ایک کتاب کے نزول کی ان کو پہلے سے خبر بھی تھی لیکن ضد اور حسد کا برا ہو کہ اہل کتاب ہو کر وہ اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے پھینک رہے ہیں گویا اس کو جانتے ہی نہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ | اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک کر جس چیز کو انہوں نے سینہ سے لگایا یہ اس کا بیان ہے۔

قرآن مجید میں شیاطین سے متعدد جگہ جنوں اور انسانوں دونوں گروہوں کے مفسدین اور اشرار مراد لئے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں بھی دونوں ہی کے اشرار مراد ہیں۔

عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ سے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کا زمانہ ہے۔ عربی زبان کے عام قاعدہ کے مطابق یہاں ایک مضاف محذوف ہے یعنی عَلَىٰ عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمَانَ۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان ظالموں نے کتاب الٰہی کو تو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور سحر و شعبدہ

اور علم نجوم وغیرہ جیسے علوم سفلیہ کو جو سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں جنوں اور ان کی پیروی کرنے والے انسانوں کے باہمی اشتراک سے رواج پائے اس کی جگہ اختیار کر لیا۔

سحر و ساحری اور اس قسم کے سفلی اور شیطانی علوم کا چرچا کچھ نہ کچھ تو ہر دور میں رہا ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے، ان کے روحانی علوم کے مقابلہ کے شوق میں، شیاطین جن و انس کے ایک طبقہ میں سحر و ساحری کے سیکھنے سکھانے کا رواج بہت بڑھ گیا تھا اور ان مفسدین نے اپنے ان علوم کو مرتب و مدوّن بھی کر ڈالا تھا۔ بعد کے زمانوں میں جب یہود دینی و اخلاقی انحطاط میں مبتلا ہوئے اور کتاب و شریعت کا ذوق ان کے اندر مردہ ہوا تو قدرتی طور پر اس طرح کی مزخرفات کے سیکھنے سکھانے میں ان کا انہماک بہت بڑھ گیا[1]۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے ان چیزوں کو تقدس کا رنگ دینے کے لئے وہ ان کو براہ راست حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب بھی کرتے رہے ہوں گے اور لوگوں کو ان کا گرویدہ بنانے کے لئے یہ دعوے بھی کرتے رہے ہوں گے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام انہیں علوم کے ذریعہ سے وہ کارنامے انجام دیتے رہے ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں۔ آج بھی جو لوگ ان سفلی چیزوں کا ذوق رکھتے ہیں وہ اپنی ان خرافات کی تائید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا حوالہ بہت دیتے ہیں۔ بعض نقش تو خاص ان کے نام نامی ہی سے منسوب بھی ہیں۔ اس طرح کی ساری چیزیں معلوم ہوتا ہے یہود ہی کے ذریعہ سے ہمارے ہاں منتقل ہوئی ہیں اور یہ اسی دفتر ضلالت کے باقیات سیئات میں سے ہیں جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں اشرار جن و انس نے مرتب کیا اور جس کو بعد میں یہود نے فروغ دیا۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ | یہ جملہ بطور

---

[1] سلاطین باب ۱۱ ۱-۱۰ میں اسرائیل اور یہودا دونوں کا حال اس طرح بیان ہوا ہے "اور انہوں نے خداوند اپنے خدا کے سب احکام ترک کر کے اپنے لئے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنا لئے اور یسیرت تیار کی اور آسمانی فوج کی پرستش کی اور بعل کو پوجا اور انہوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو آگ میں چلوایا اور فال گیری اور جادوگری کام

استدراک یا بطور ایک جملہ معترضہ کے ہے۔ سلسلۂ کلام کے بیچ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہود کے لگائے ہوئے الزام سے بری کرنے کے لئے فرمایا کہ سلیمان کا دامن ان علوم سفلیہ کی آلودگیوں سے بالکل پاک ہے، اس نے اس کفر کا ارتکاب کبھی نہیں کیا۔ البتہ یہ شیاطین جن وانس ہیں جنہوں نے ان چیزوں کو اختیار کیا اور پھر لوگوں کو ان مزخرفات کی تعلیم دی۔

یہاں اسلوبِ کلام سے متعلق دو باتیں ذہن میں رکھنے کی ہیں۔ ایک تو اس جملہ معترضہ کی بلاغت، اس کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ متکلم کو ان علوم سفلیہ کی نسبت حضرت سلیمانؑ کی طرف اتنی ناگوار ہے کہ اس کی تردید کے معاملہ میں اس نے اتنا توقف بھی نہیں کیا کہ بات پوری ہولے۔ بلکہ سلسلہ کلام کو روک کر فوراً اس کی تردید ضروری سمجھی۔ دوسری یہ کہ یہ تردید ایسے اسلوب سے شروع کی ہے جس سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ سحر کا کفر ہونا ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۲۷)

اور کیا جا سکتا ہے کہ جنگ کے موقع پر بوقت ضرورت جاندار اشیاء کی تصاویر بھی لی جا سکتی ہیں۔ اس لئے یہاں تماثیل سے مراد جان دار اور غیر جاندار دونوں قسم کی تصاویر ہو سکتی ہیں لیکن علی الاطلاق نہیں بلکہ جنگی ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ اس تشریح سے اس آیت اور ان احادیث میں کوئی تعارض باقی نہ رہا جن میں تصویر سازی پر شدید وعید آئی ہے۔

اس آیت کے علاوہ تصویروں کو جائز اور فنونِ لطیفہ میں شمار کرنے والوں کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کے جواب میں وقت ضائع کیا جائے اس لئے فی الحال مذکورہ بالا تفصیلات ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مطالعہ حدیث

مولانا عبد الغفار حسن صاحب

مسئلۂ تصویر

(۴)

تصویر سازی کی چھٹی قسم تصویر سازی کی محرک اجتماعی اور تمدنی ضروریات بھی ہو سکتی ہیں مثلاً پاسپورٹ، پولیس کا مجرموں کی شناخت کے لئے تصویروں کو محفوظ رکھنا، ڈاکٹروں کا فن طب (تشریح الاعضا) یا علاج معالجہ کی غرض سے تصویریں لینا، فنونِ حرب میں ناگزیر ضروریات کے لئے فوٹوگرافی کا استعمال، نیز اسی قسم کی دوسری صورتیں حکم عام سے مستثنیٰ قرار دی جا سکتی ہیں بشرطیکہ اصل مقصد اپنی جگہ جائز ہو۔

چھوٹی بچیوں کو گھر گرہستی کا سلیقہ سکھانے کے لئے گڑیوں کا استعمال بھی اسی زمرے میں آ سکتا ہے۔ ذیل کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عن عائشة قالت قدم رسول الله صلی الله علیه وسلم من غزوة تبوك او حنين وفي سهوتها ستر۔ فهبت ريح فكشفت ناحية الستر عن بنات۔ لعائشة لعب فقال ما هذا يا عائشة۔ قالت بناتي، ورأى بينهن فرسا له جناحان من رقاع فقال ما هذا الذي ارى وسطهن قالت فرس

حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک یا حنین سے واپس آئے۔ گھر میں الماری پر پردہ لٹکا ہوا تھا۔ ہوا چلنے سے اس کا ایک کونہ کھل گیا۔ جس سے گڑیاں نظر آنے لگیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے عائشہ؟ انہوں نے جواب دیا یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ان کے درمیان کپڑے کی کترنوں کا بنا ہوا دو پروں والا ایک گھوڑا بھی موجود ہے۔ آپ نے سوال کیا۔ اُن کے درمیا

قال وما الذی علیه قالت جناحان قال فرس له جناحان قالت اما سمعت ان لسلیمان خیلا له اجنحة قالت فضحك رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی رأیت نواجذه (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء ص۲۸۲ بحوالہ ابوداؤد)

کیا ہے؟ جواب ملا "گھوڑا" آپ نے دریافت فرمایا "اس پر کیا لگا ہوا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "دو پر ہیں" آپ نے فرمایا "اچھا، گھوڑا اور اس کے دو پر؟" حضرت عائشہؓ نے کہا "کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے دو پر تھے؟" حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ یہ سن کر ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ کے دندان مبارک دیکھ لئے۔

صحیح بخاری میں ہی ایک روایت ہے جس میں صرف گڑیوں کا ذکر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تصاویر کے استعمال میں تعظیم و احترام مقصود نہ ہو بلکہ تذلیل و تحقیر کا پہلو نکلتا ہو تو ان کو اجتماعی ضرورت کی بنا پر گوارا کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ عام طور پر گھروں میں بچیاں جن گڑیوں سے کھیلتی ہیں، ان کے نقش و نگار نمایاں نہیں ہوتے اس لئے بلا کسی شدید ضرورت کے ایسی تصاویر کا استعمال جائز نہیں، جن کے خدوخال پوری طرح واضح ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت اور ضرورت میں بھی فرق ہے۔ بچیوں کو بہلانے یا گھر گرہستی کا سلیقہ سکھانے کے لئے گڑیوں کا استعمال بھی ایک ضرورت ہے لیکن یہ کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جسے شدید ضرورت کہا جا سکے۔ اس قسم کے مواقع پر ایسی تصاویر استعمال میں لائی جا سکتی ہیں جن کا تشخص (خدوخال) نمایاں نہ ہو۔ لیکن اگر واقعی کوئی شدید ضرورت پیش آئے جیسے پاسپورٹ وغیرہ، تو وہاں ان تصاویر کا استعمال گوارا کیا جا سکتا ہے جن کے نقش و نگار پوری طرح نمایاں ہوتے ہیں۔

دوسرا رخ | تصویر سازی کے مطلق جواز پر ذیل کی آیت بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔

یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ (وہ (جنات) بناتے حضرت سلیمان کے لئے،

مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا۔ ۱۳)

قلعے، تصویریں، اور لگن کی مانند تالاب، اور جمی ہوئی دیگیں، اے داؤد کے گھرانے والو شکر بجالاؤ اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔

اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ان کے لئے تصاویر بنائی جاتی تھیں تو اب ان کے جائز ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اس استدلال کے اہل علم نے متعدد جواب دیئے ہیں۔

۱۔ پہلے انبیاء کی شریعت میں ممکن ہے کہ تصاویر حرام نہ ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شریعت کو لے کر آئے، وہ چونکہ ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے اس لئے اس میں ہر اس رخنے کو بند کر دیا گیا جس سے شرک جلی یا شرک خفی کے جراثیم مسلم معاشرے میں پھیل سکتے ہوں۔ اس کی مثال سجدہ تعظیمی (نہ کہ سجدۂ عبادت) کی صورت میں ملتی ہے۔ یہ سجدہ تعظیمی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں جائز تھا جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا یعنی برادران یوسف اپنے بھائی کے لئے سجدے میں گر پڑے۔ لیکن شریعتِ محمدیہ میں سجدے کی ہر شکل (خواہ سجدۂ عبادت ہو یا سجدۂ تعظیم) حرام قرار دی گئی ہے۔ یعنی شریعتِ محمدیہ میں شرک اور ذریعۂ شرک دونوں پر قدغن لگا دی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۹۱)

۲۔ تماثیل سے غیر ذی روح (بے جان) اشیا کی تصاویر مراد ہیں یہ اس بنا پر کہ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے سنت ثابتہ کی تصریحات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ اس آیت میں لفظ تماثیل کے سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اور بعد میں ایسی اشیاء کا ذکر ہے جو جنگ میں کام آتی ہیں یا فوجیوں کے لئے مفید ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے تماثیل سے جنگی نقشے اور ایسی اشیا کی تصاویر مراد ہیں جن کا وجود جنگ کے مواقع پر ناگزیر ہے

یہ دوسرا جواب زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے اس میں اتنا اضافہ (باقی بر صفحہ ۲۴)

افادات فراہیؒ

جناب خالد مسعود صاحب

ایمان

یہ مضمون مفردات القرآن، تفسیر سورۃ العصر اور تفسیر سورہ اخلاص سے مرتب کیا گیا ہے۔ (خ۔م)

ایمان کی اصل امن ہے اور اس کے معنی اعتماد کے ہیں۔ یہیں سے لغت میں یہ کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً امنہ ای اعطاہ امنا (اس کو امن دیا) قرآن میں ہے وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (اور ان کو خوف سے امان دی) امن لہ۔ صدقہ واعتمد علیہ (اس کی تصدیق کی اور اس پر اعتماد کیا) امن بہ۔ صدقہ وایقن بہ (اس کی تصدیق کی اور اس کا یقین کیا)

قرآن مجید میں یہ لفظ ان تمام طریقوں سے مستعمل ہے۔ اس کے مشتقات میں سے مومن کا لفظ اللہ تعالےٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ اپنی پناہ میں آنے والے بندوں کو پناہ دیتا ہے۔

عبرانی زبان میں بھی امن کا مادہ پایا جاتا ہے اور اس کے معنی صدق و اعتماد کے آتے ہیں۔ اسی سے آمین کا لفظ پیدا ہوا جو ایک تصدیق و اعتماد کا کلمہ ہے۔

ایمان محض یقین کا نام نہیں۔ ایمان کا مطلب ایک چیز کی تصدیق کرنا اور اسے مان لینا ہے چنانچہ اس کا ضد تکذیب، انکار اور کفر ہے۔ لیکن یقین کا ضد ظن اور شک ہے، اس وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ جو شخص یقین رکھتا ہو وہ تصدیق بھی کرے۔ عین ممکن ہے کہ یقین رکھنے کے باوجود ایک آدمی محض سرکشی اور غرور کی بنا پر کسی چیز کی تکذیب کر دے۔ جیسے فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے،

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً پس جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ - وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (نحل - ۱۳ - ۱۴)

آئیں انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اور ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کیا، محض ظلم اور گھمنڈ کی وجہ سے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو ایمان رکھتا ہو لازماً یقین بھی رکھتا ہوگا کیونکہ بسا اوقات آدمی ظن غالب کی بنا پر ایمان لے آتا ہے، بعد میں اللہ تعالےٰ اسے توفیق دیتا ہے تو وہ ظن کی حالت سے نکل آتا ہے۔ تاہم کمال ایمان اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب یقین حاصل ہو۔

قرآن مجید نے ایمان کے بعض ضمنی پہلو بھی واضح کیے ہیں، مثلاً یہ کہ ایک مومن صرف اللہ پر توکل کرنے والا ہوتا ہے۔ فرمایا۔

زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔

یہ بات ان کا ایمان زیادہ کرتی ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ایمان چونکہ مضبوط اعتقاد کا نام ہے اس لیے لازماً یہ عمل پر ابھارتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ - (بقرہ ۳)

وہ غیب میں رہتے ہوئے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ وہ یقین جو ثبوت، توکل اور اعتقاد کے تمام لوازم و شرائط کے ساتھ پایا جائے، ایمان ہے اور جو شخص اللہ تعالےٰ پر، اس کی آیات پر، اسکے احکام پر ایمان لائے، اپنا سب کچھ اس کو سونپ دے اور اس کے فیصلوں پر راضی ہو جائے، وہ مومن ہے۔

ایمان عقل کے لیے ہدایت اور روشنی ہے اور دل کے لیے طہارت اور پاکیزگی۔ اس لیے یہ عقل اور ارادہ دونوں کو ایک ساتھ متاثر کرتا ہے اور عقاید و اعمال سب پر حاوی ہو جاتا ہے۔ پس قرآن کی اصطلاح میں مومن وہ شخص ہوا، جو خدا کا خالص و مخلص بندہ ہے اور جو اللہ تعالےٰ کے احکام و آیات پر یقین و اطاعت کی اس کیفیت کے ساتھ مضبوط ہے، جس کی بنیاد رضا و محبت پر ہے۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اب ایک اور حقیقت پر غور کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کی کوشش کے لحاظ سے درجے اور مناصب عطا فرماتا ہے۔ جو روح پاکیزگی اور طہارت کی راہ میں جس قدر بڑھتی جاتی ہے، تقرب الٰہی کے مقامات و منازل میں اسی قدر ترقی کرتی جاتی ہے۔ اور چونکہ ترقی کی دو راہیں ہیں، ایک علم و عمل کے اندر سے ہو کر نکلی ہے۔ دوسری قلب و ارادہ کے اندر سے، اس لیے علم و عمل کی راہ میں اس کا ہر قدم اس کو ہدایت و تقویٰ سے قریب تر کرتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ (محمد - ۱۷)

اور جنھوں نے ہدایت کی راہ پکڑی (یعنے اپنے علم کے مطابق عمل کیا) ان کی ہدایت (یعنی علم) زیادہ کی اور ان کو بخشا ان کا تقویٰ (یعنے صحت ارادہ کیونکہ تقویٰ ہی اعمال صالحہ کا سرچشمہ ہے)

پس ہر علم نافع اور عمل صالح ہدایت و تقویٰ کا دروازہ کھولتا ہے اور علم و عمل کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی ایک سے زیادہ آیات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً فرمایا

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات ۱۴)

اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں کے اندر گھسا نہیں۔

یعنی تمہارا ایمان ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ اس لیے کہ اس نے علم سے ارادہ اور قول سے عمل کی شکل ابھی نہیں اختیار کی۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلۃ ۲۲)

وہی لوگ ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا اور ان کی اپنی طرف سے روح سے تائید کی۔

یہ ان لوگوں کی باہمی محبت کے ذکر کے بعد فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان قلب سے تعلق رکھنے والی اور محبت کو جوش میں لانے والی چیز ہے۔

ایک اور مقام میں فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ ۱۶۵)

اور جو ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں سخت تر ہیں

ایک جگہ فرمایا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى

پس نہیں، تیرے رب کی قسم، ان کا ایمان معتبر نہیں

يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء ۶۵)

جب تک کہ وہ اپنے تمام نزاعی امور میں تم کو حکم بنائیں، پھر تمہارے فیصلوں سے اپنے دل میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور کلی طور پر اطاعت کریں۔

یعنی جس نے اپنے نفس اور اپنے تمام عزائم و اعمال کو پوری طرح اللہ کے حوالے نہ کر دیا وہ پکا مومن نہیں ہے، کیونکہ ایمان جن عقاید و اعمال کا مجموعہ ہے، ان میں سے اس نے چند پورے کیے ہیں، تمام نہیں پورے کیے۔ اسی مفہوم کی آیت یہ بھی ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ - الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (انفال ۲-۴)

مومن تو وہی ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب ان کو اس کی آیتیں سنائی جاتی ہیں، ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے روزی بخشی ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ حقیقت مومن ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مومنین کی تعریف فرمائی ہے اور ان کے مندرجہ ذیل اوصاف گنائے ہیں۔

(۱) اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں پر خشیت طاری ہو جاتی ہے (۲) آیات الٰہی کے سننے سے ان کا ایمان بڑھتا ہے (۳) اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۴) نماز قائم کرتے ہیں (۵) راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ پس یہی لوگ سچے اور راستباز مومن ہیں۔ اسی کے مشابہ ایک اور آیت ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ - (الحجرات - ۱۵)

مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر اس میں کسی طرح کا تردد نہ کیا اور جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

آیت ذیل بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ (السجدہ ۲-۱۸) — کیا جو مومن ہے وہ فاسق کی طرح ہو جائے گا؟ (ہر گز نہیں) دونوں برابر نہ ہوں گے۔

دیکھو اس آیت میں اللہ تعالٰے نے مومن کو فاسق کا ضد قرار دیا اور تصریح کے ساتھ فرمایا کہ دونوں برابر نہ ہوں گے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں ایمان کے بعد جو عمل صالح کا ذکر آتا ہے (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) وہ درحقیقت تفصیل یا نتیجہ کے طور پر آتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ صحیح تصور کا نتیجہ صحیح تصدیق ہے اور صحیح تصدیق کا ضروری نتیجہ درستیٔ عمل ہے۔ ایمان کا محل دل اور عقل ہے اور عقل و دل کے معاملات میں انسان نہ صرف دوسروں کو دھوکا دے سکتا ہے بلکہ بسا اوقات خود بھی دھوکے میں رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ مومن ہے حالانکہ وہ مومن نہیں ہوتا۔ یہودیوں کے دعوی ایمان اور نافرمانیوں کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا۔

بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (بقرہ ۲) — کیا کچھ برائیاں تم سے ایمان کرواتا ہے۔ اگر تم مومن ہو۔

یعنے تمہارا دعوی ایمان غلط ہے اور اس ایمان کو ایمان کہنا تمہاری ہی اصطلاح ہے جس کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور اس نام کے ایمان سے کیسی کچھ نالائقیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اسی لیے ایمان کے دو شاہد قرار دیے گئے ہیں۔ ایک قول، دوسرے عمل۔ چونکہ قول بھی جھوٹ ہو سکتا ہے، اس لیے صرف زبان سے اقرار کرنے والا مومن قرار نہیں دیا گیا بلکہ ضروری ہوا کہ آدمی کا عمل اس کے ایمان کی تصدیق کرے۔ پس عمل ایمان کی اصل کسوٹی ہے۔ فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا (النساء ۴-۱۳۶) — اے ایمان لانے والو (عمل سے) ایمان لاؤ۔

اسی کے مثل دوسری جگہ ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ - وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ — کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائشوں میں نہ ڈالے جائیں گے۔ اور بے شک ہم نے آزمایا ان لوگو

صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ - کو جو ان سے پہلے تھے۔ پس البتہ اللہ معلوم کرے
(العنکبوت - ۲، ۳) گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ سچا مومن وہ ہے جو ایمان اور عمل صالح دونوں کا جامع ہو۔

ایمان کے ایک معنی چونکہ ایقان کے بھی ہیں، قرآن مجید میں اس معنی کے استعمال سے بعضوں کو خیال ہوا کہ معتبر و حقیقی ایمان یہی ایقان ہے اور یہ ایک یقین محض کی حالت ہے۔ اس وجہ سے اس میں عمل سے کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی۔ یقین اور عمل دو الگ الگ چیزیں ہیں، پس عمل یقین کا جزو کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر ان لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہی رائے ہے جو ایمان و عمل کے باب میں حضرت امام ابو حنیفہ رح نے بھی اختیار فرمائی ہے۔

ہمارے نزدیک یہ مسئلہ بالکل علیحدہ نوعیت رکھتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رح نے اس مسئلہ کو بالکل اس نگاہ سے دیکھا ہے جس نگاہ سے ایک قاضی و فقیہ ان مسائل کو دیکھتا ہے یا جس نگاہ سے امیر اسلام وراثت و نکاح اور خراج و جزیہ وغیرہ کے معاملات اور سیاسی مسائل کے فیصلے کرتا ہے۔ یہ قانون و سیاست کی نگاہ ہے جو حکمت و فلسفہ کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔ اس اعتبار سے ہر وہ شخص مومن ہوگا جو اقرار کرے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں سے ہے اور مسلمانوں کے شعار اور ان کے ظاہر حالات میں ان کے طریقے پر ہو۔ ایسے اشخاص کے متعلق یہی حکم لگایا جائے گا کہ یہ مسلمان ہیں۔ ان میں صادق و کاذب اور متقی و فاجر کی تفریق نہیں کی جائے گی۔ اس قانونی ایمان میں سب برابر ہوں گے۔ اس میں کمی و بیشی نہیں واقع ہوتی۔ کیونکہ قانون اور سیاست کی نگاہ خدا اور بندہ کے درمیان کے باطنی احوال و معاملات کی جستجو نہیں کیا کرتی۔ یہ معاملات صرف قیامت کے دن بے نقاب ہوں گے۔ پس امام ابو حنیفہ رح نے اس بحث میں ایمان سے اس کے خاص مفہوم ایقان کو نہیں مراد لیا ہے۔ بلکہ مجرد اقرار و اظہار کو مراد لیا ہے۔ یعنی ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے یا محض قول کا؟ یہ سوال نہ تھا کہ علم و عمل دونوں کا نام ہے یا محض علم کا۔ اگر سوال مؤخر الذکر صورت میں ہوتا تو اس کا جواب محض ایک ہی ہوتا۔ کیونکہ اس بارہ میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ ایمان علم و عمل دونوں چیزوں کا مجموعہ ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ ایمان ایک نفسانی و روحانی حالت کا نام ہے جو انسان کے تمام عقائد و اعمال پر حاوی ہے۔ وہ جس طرح علوم سے بڑھتی ہے اسی طرح اعمال سے بھی اس میں زیادتی ہوتی ہے اس کے دو رکن ہیں۔ ایک علم دوسرا عمل۔ ان میں سے اگر ایک کو بھی ڈھا دو گے، اس کی پوری عمارت ڈھ جائے گی۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور دین کے تمام اصول و فروع سے خوب واقف ہے لیکن نافرمانی اور گناہ پر برابر مصر ہے تو اس کے لیے اس ایمان سے کوئی حصہ نہیں ہے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ جہاں تک نفس علم و یقین کا تعلق ہے، ابلیس کچھ کم نہ تھا تاہم وہ مومن نہ تھا۔ ایسا یقین معتبر نہیں۔ اس قسم کا یقین خود صاحب یقین کے خلاف حجت ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب اور بڑھتا ہے۔

تدبرِ قرآن

(تفسیر آیۂ بسم اللہ و سورۂ فاتحہ)

مکتبہ میثاق کی شائع کردہ

(مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" کا ایک نمونہ)

اس تفسیر کا مطالعہ

قرآن میں فکر و تدبر کا شوق پیدا کرتا ہے

سورۂ فاتحہ

کی اہمیت کے لحاظ سے اس کا مطالعہ دین کے شائقین کے لئے بہت فائدہ مند ہے

قیمت:- ۷۵ پیسے

مکتبہ میثاق - رحمانپورہ - اچھرہ - لاہور-۱۲

مقالات

مولٰنا ضیاء الدین صاحب اصلاحی

اتباعِ نفس (۲)

اوپر گذر چکا ہے کہ انسان نیکی و سعادت کا بلند ترین مقام اس وقت حاصل کرتا ہے جب وہ اپنے نفس کی غلامی اور خواہشات کی پیروی سے بالکل بے نیاز ہو جائے۔ اسی لیے قرآن نے خاص طور پر انہی چیزوں کی قربانی مانگی ہے جو انسان کو زیادہ مرغوب ہیں۔ انسان کو زیادہ رغبت مال و دولت کی طرف ہوتی ہے مگر قرآن مجید نے جذبۂ زراندوزی کو کم کرنے اور ہوائے نفس کے برخلاف غریبوں اور محتاجوں پر مال خرچ کرنے ہی کو اصلی نیکی کا کام بتایا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ

نیکی کا کام یہ نہیں ہے کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی جانب کر لو۔ بلکہ نیک وہ لوگ ہیں جو اللہ پر یوم آخرت، ملائکہ، کتاب الٰہی اور نبیوں پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنی خواہش کے باوجود قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، محتاجوں اور غلاموں کو اپنا مال دے دیا۔

(بقرہ ۸-۱۷۷)

مومنین کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مال و دولت کی اشتہا کے باوجود غربا نوازی اور مسکین پروری سے نہیں چوکتے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (دھر)

وہ کھانے کی خود خواہش رکھنے کے باوجود مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

اپنی ضروریات کے مقابلہ میں دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینا اور اپنی خواہشات پر دوسروں

کی خواہشات کو مقدم سمجھنا کمال ایمان اور کمال اخلاص کا نمونہ ہے۔ دور اول کے مسلمان اسی ایمان و اخلاص کا مظہر تھے۔ انصار کے یہی اوصاف ہیں جن کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔

وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً	ان کے دلوں میں مہاجرین کو جو کچھ دیا جاتا ہے
مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ	اس سے تنگی نہیں پیدا ہوتی اور وہ انہیں اپنی احتیاج
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ	کے باوجود اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو اپنے نفس
نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (حشر ۹)	کے حرص سے محفوظ رہا وہی اصلی کامیاب ہے۔

مال کے علاوہ آدمی کی جان اسے سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے مال کے ساتھ ساتھ جان کی قربانی بھی طلب کی ہے۔ چنانچہ کئی مقامات پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اموال و انفس دونوں کے ذریعہ جہاد کیا جائے۔ مثلاً فرمایا۔

انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا	ہلکے پھلکے (بے ساز و سامان) اور لدے پھندے
بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	(مسلح ہو کر) جس حال میں بھی ہو راہ خدا میں) نکل
ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ	پڑو اور اپنے جان و مال سے جہاد کرو۔ اگر تم جانو تو
(توبہ - ۴۱)	یہ بہت بہتر ہے۔

اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد اہل ایمان کا منافقین سے تقابل کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ راہ الٰہی میں اپنی جان و مال نچھاور کرنے میں کوئی دریغ محسوس نہیں کرتے۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ	وہ لوگ تم سے اس بات کی اجازت نہ طلب کریں
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ	گے کہ اپنے جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کریں؟
وَأَنفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ	جو اللہ پر اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور
(توبہ - ۴۴)	اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں سے باخبر ہے۔

ایک اور جگہ اہل ایمان کو نفع بخش تجارت کا راز بتاتے ہوئے کہا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ	اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی تجارت بتا دوں
عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔	جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گی وہ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ	تجارت یہ ہے، تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (صف ۱۰-۱۱)

لاؤ۔ اس کے راستے میں جان و مال سے جہاد کرو۔ اگر تم سمجھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

احادیث میں بھی جہاد بالنفس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

عن ابی سعید الخدری جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ای الناس خیر وفی روایۃ ابی داؤد ای المؤمنین اکمل ایمانا قال رجل جاھد بنفسہ ومالہ (بخاری ج ۲ کتاب الرقاق)

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے آنحضرت کے پاس آکر کہا کون شخص سب سے بہتر ہے (ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ کس کا ایمان زیادہ کامل ہے) آپ نے جواب دیا کہ وہ شخص جو اپنی جان و مال سے جہاد کرے۔

امام نسائی اور احمد بن حنبل نے عبداللہ بن حبشی خثعمی سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ:

ای الجھاد افضل قال من جاھد المشرکین بمالہ ونفسہ۔

کونسا جہاد بہتر ہے؟ فرمایا اس شخص کا جو مشرکین سے اپنی جان و مال کے ذریعہ جہاد کرے۔

امام احمد نے حضرت انسؓ سے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مشرکین سے اپنی جان، مال اور زبانوں سب کے ذریعہ جہاد کرو۔

ان آیات اور احادیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے نفس و مال کے بُت کو جس کی پرستش میں آج کی دنیا بہت زیادہ پیش پیش ہے ختم اور پاش پاش کرنے کی کتنی تدبیر اور سعی کی ہے۔ ایمان کا ایک نتیجہ عمل اور عبادت دونوں میں اخلاص ہے۔ یہ نتیجہ اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب انسان کا عمل ریاء و نمائش سے پاک اور نفس پرستی کے ہر شائبہ سے بے داغ ہو۔ اخلاص کے مقابلہ میں نفاق کا نتیجہ ظاہر داری، خود نمائی اور نفس پرستی ہے۔ منافقین کے کسی کام میں اخلاص اور بے نفسی پائی ہی نہیں جاتی۔ سورۂ توبہ کی جو آیتیں پہلے نقل کی گئی ہیں ان میں دراصل منافقین کی

اسی خصلت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ وہ خدا کے حکم کے مقابلہ میں اپنی جان کو زیادہ عزیز سمجھتے ہیں نفس پرستی کا ان پر اس قدر شدید غلبہ ہے کہ دین حق کی راہ میں اپنا تن من دھن قربان نہیں کر سکتے اور اس کیلئے جس ذوق و شوق اور بلند حوصلگی اور جان بازی کا ثبوت دینا چاہئے اس سے کتراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب خدا کے دین کی سربلندی کے لیے لوگ اپنے جان و مال کی بازی لگا کر میدان کارزار میں کود پڑتے ہیں تو یہ لوگ ریب و شک میں پڑے رہتے ہیں اور ہزاروں قسم کے حیلے بہانے ڈھونڈتے اور عذرات لنگ تراشتے رہتے ہیں تاکہ حق و باطل کے معرکہ میں جہاں جان کی بازی لگا کر جایا جاتا ہے انہیں نہ جانا پڑے۔ ذیل کی آیت میں ان کی اسی ذہنیت کو آشکارا کیا گیا ہے۔

وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ۔

ایک گروہ کو اس کی جان زیادہ اہم معلوم ہوتی تھی اور اللہ کے متعلق وہ ناحق جاہلوں جیسے گمان کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے۔

(آل عمران۔ ۱۵۴)

تمام اعمال صالحہ جن کی کتاب و سنت میں بڑی تاکید بیان کی گئی ہے اور جن پر اسلام و ایمان کا دارومدار ہے، اسی نفس پرستی اور نام و نمود کے جذبے سے بے کار اور عبث ہو جاتے ہیں۔ انسانی نفسیات کے ماہرین سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ پاکیزہ اور نیک کام بھی لذت نفس اور آسائش روح کے لیے اور داد و تحسین حاصل کرنے اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی عظمت کا سکہ بٹھانے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ نماز کی اہمیت میں کسے کلام ہو سکتا ہے لیکن کتنے نمازی ہیں جن کی نمازوں کا مقصد محض خدا کی اطاعت ہے اور اس میں ان کے جذبۂ نام و نمود اور نفس پروری کو دخل نہیں ہوتا۔

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (ماعون پہلا)

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں جو محض نمائش کرتے ہیں اور حقیر چیزیں مانگنے سے نہیں دیتے

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت جس قدر بھی بیان کی جائے کم ہے لیکن کتنے اغنیاء اور داد و دہش کرنے والے ہیں جو شہرت طلبی اور نام و نمود سے بے نیاز ہو کر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور انکا نفس انہیں اس فریب میں نہیں ڈالتا کہ مال خرچ کرنے سے لوگوں پر ان کا اثر پڑیگا۔

اور وہ ان کی فیاضی کے گن گائیں گے۔ قرآن مجید نے بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔ فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقرہ۔ ۲۷۹)	اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر ضائع نہ کرو جو لوگوں کو دکھلانے کے لیے خرچ کرتے اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

یہ تو صرف دو مثالیں تھیں ورنہ اس قسم کے کتنے خالص دینی کاموں کو ہماری خواہشات اور زہد و ورع کے نمائشی کاروبار نے لاحاصل، بے سود اور سراپا معصیت بنا دیا ہے۔ اس موقع پر وہ مشہور حدیث بھی ذہن نشین رہے جس میں تین اشخاص کے اچھے اعمال محض نمائش اور نفس پرستی کی بنا پر جہل اور بے سود قرار پائے اور انہیں خدا نے جہنم رسید کر دیا۔ اسی طرح ملی، دینی، سیاسی اور قومی کاموں پر بھی غور کیجئے تو وہاں بھی ساری سعی و کاوش اور سرگرمی عمل کے پیچھے یہی سستی شہرت، لیڈری کا خبط، نام و نمود کی حرص اور اسی قسم کے نفسانی اور شہوانی جذبات کام کرتے نظر آئیں گے۔ ان میں اخلاص، قومی و ملی مفاد اور جذبۂ نیک بہت کم پایا جائے گا۔

مال و زر کی ہوس کا مطلب دنیا طلبی اور دنیا پرستی ہے جو بذات خود نہایت قبیح اور ایمان و اسلام کے لیے ایک مستقل فتنہ ہے۔ لیکن اس کا سرچشمہ بھی نفس پرستی ہی سے پھوٹتا ہے۔ آدمی دنیا میں جینے کا اس لیے آرزومند ہوتا ہے کہ خوب جی بھر کر اس کی رعنائیوں اور دلفریبیوں سے لطف اندوز ہو اور لقمۂ اجل بننے سے اس لیے گھبراتا ہے کہ اس کے بعد اس کا سارا کاروبار لذت و نشاط ختم ہو جائے گا۔ یہود کے دنیا پرستوں کا سورۂ بقرہ میں اسی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ (بقرہ۔ ۹۶)	اور تم انہیں سب سے زیادہ حتی کہ مشرکین سے بھی زیادہ دنیا کا حریص پاؤ گے۔ ان میں کا ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے ہزار برس کی عمر ملے۔

نفس پرستی کے معائب اور خرابیوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ خدا کی دعوت کی تکذیب

ہمیشہ اسی بنا پر کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خدا پرستی اور حق و صداقت کی تعلیم دی تو اس کی مخالفت میں سب سے زیادہ پیش پیش ارباب غرض اور اہل ہوا ہی تھے چاہے وہ مشرکین مکہ ہوں یا یہود اور ان کے علماء سوء۔ قرآن مجید میں ہے۔

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (قصص۔ ۵)

اگر یہ لوگ تمہاری دعوت قبول نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ وہ اپنی خواہشات کے تابع ہیں اور خدا کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے بے شک اللہ تعالے فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بنی اسرائیل کی تو قبل اسلام اور بعد اسلام کی پوری تاریخ اسی سرچشمہ ضلالت و غوایت یعنے نفس پرستی اور اتباع شہوات سے داغدار ہے۔ ان کو تمام گستاخیوں اور مذموم جسارتوں پر اسی جذبہ ہوائے نفس نے آمادہ کیا تھا۔ وہ انبیاء کی تکذیب، استہزاء اور قتل تک کرنے کی جسارت صرف اس لیے کر بیٹھے کہ انبیاء کی تعلیمات ان کی خواہشات و آراء کے خلاف تھیں۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ان کی اسی ذہنیت اور طرز عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ (بقرہ۔ ۸۷)

کیا جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس تمہاری مرضی اور خواہش کے خلاف کوئی حکم لائے گا تو تم استکبار کرو گے اور رسولوں کے ایک گروہ کو جھٹلاؤ گے اور دوسرے کو قتل کر ڈالو گے۔

سورۂ مائدہ میں اس سے زیادہ صراحت کی گئی ہے کہ ان سے خدا نے یہ میثاق لیا تھا کہ اسی کی بندگی و اطاعت کریں گے اور اسی بندگی و اطاعت کے فیض میں انہیں عزت و سیادت عروج و اقتدار اور دوسروں پر فضیلت حاصل ہو گی۔ اگر اس عہد کے نباہ میں ان سے لغزش و کوتاہی ہو گی تو خدا کی جانب سے اس کے رسول آئیں گے جو ان کی رہبری کریں گے۔ لیکن بنی اسرائیل نے اپنے غرور و گھمنڈ کے سامنے اس میثاق کی پابندی کا پاس و لحاظ نہ رکھا اور وہ خدا کی بندگی سے منہ موڑ کر اپنے نفس کی بندگی اور پرستش میں لگ گئے اور جب خدا کے رسول ان کی تذکیر

ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تو انہوں نے ان کے انکار و تکذیب میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا اور محض اپنی خواہشات اور من مانی آرزوؤں کے غلام اور تابع ہو کر ان کو قتل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ فرمایا

وَلَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ (مائدہ ۷۰)

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کے پاس رسول بھیجے جب جب ان کے پاس ان کی خواہش کے خلاف رسول کوئی چیز لایا تو انہوں نے انکار کر دیا) اور ایک گروہ کو جھٹلایا اور دوسرے کو قتل کر ڈالا

آنحضرت صلعم جب روشن دلائل کے ساتھ خدا کی ہدایت لے کر مبعوث ہوئے تو ان لوگوں کی خیریت اسی میں تھی اور یہی ایمانداری اور دیانتداری کا تقاضا بھی تھا کہ وہ آپ کی قدر اور آؤ بھگت کرتے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر انکار و تکذیب کا ایسا مذموم اور شنیع طریقہ اختیار کیا کہ آسمان و زمین تھرا گئے۔ انہوں نے اپنی بدبختی اور کمینگی کا وہی سابقہ رویہ شروع کر دیا اور آنحضرت صلعم کی حقانیت و صداقت کو مجروح کرنے کی کوئی امکانی کوشش باقی نہ چھوڑی۔ لیکن غور فرمائیے کہ ان حماقتوں اور شرارتوں پر انھیں کس چیز نے آمادہ کیا تھا؟ کیا وہ نیک نیتی اور دیانتداری کے ساتھ نبی آخر الزمانؐ کی مخالفت کر رہے تھے اور کیا ان کی حق نوازی اور خدا پرستی انہیں رسول اللہؐ کی تعلیمات میں نقص نکالنے پر مجبور کیا تھا؟ نہیں بلکہ ایک نفس تھا جس کی خواہشات کی پیروی میں یہ سارے جتن کیے جا رہے تھے۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر آنحضرت اپنے مشن اور دعوت میں کامیاب ہو گئے تو انہیں کھل کھیلنے اور من مانی خواہشات پر چلنے کا موقع باقی نہ رہے گا اور ان کی عزت، سیادت، لیڈری اور اقتدار کا پورا تاج محل مسمار ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت صلعم اور قرآن کی پوری شدت سے مخالفت کرنی شروع کر دی۔ خدا نے ان کے مکر و فریب کی حقیقت کھول دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کی باتوں میں نہ پڑیں۔ آپ کو جو ہدایت عطا کی گئی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہیے اور ان لوگوں کی ایک بات بھی نہ سنیئے۔ ورنہ یہ آپ کو جادۂ مستقیم سے منحرف کر دیں گے اور پھر آپ خدا کی مدد و نصرت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ

اللہ تمہاری جانب متوجہ ہونا چاہتا ہے اور خواہشات

يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا (نساء: ۲۷)

کی پیروی کرنے والے چاہتے ہیں کہ تم راہ راست سے بہت زیادہ دور ہو جاؤ

دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ تمہارے خلاف ریشہ دوانیوں سے اسی وقت باز آ سکتے اور تم سے خوش ہو سکتے ہیں جب تم ان کی آراء و خواہشات کا اپنے کو پابند کر لو۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

(البقرہ - ۱۲۰)

یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ان کی ملت کی اقتدار نہ کرو۔ ان سے کہہ دو کہ خدا ہی کی ہدایت اصل ہدایت ہے اور اگر تم نے علم پانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کو مانا تو تمہارے لیے اللہ کی جانب سے کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا

بنی اسرائیل کی داستان فسق و معصیت کے ساتھ ملا کر سامری کے واقعہ پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے۔ اس نے خدا پرستی کے مقابلہ میں عجل پرستی کا جو کاروبار پھیلایا تھا اور جس میں اس نے لوگوں کو بہکایا بھی ڈالا تھا۔ دراصل اس کے نفس کا ایک کاروبار تھا۔ اس نے اپنی عظمت و سیادت جتانے اور قوم میں عزت و مقبولیت بڑھانے اور شہرت و ناموری حاصل کرنے کے لیے یہ کھیل کھیلا تھا۔ چنانچہ اس کا اعتراف اس نے خود بھی کیا ہے۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ

اس نے کہا مجھے وہ چیز سوجھی جو انھیں نہیں سوجھی چنانچہ میں نے رسول کی ذرا پیروی کی اور پھر اسے چھوڑ دیا[1] اسی طرح میرے نفس نے اسے گڑھ لیا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ بدبختی اور شقاوت کا جو معاملہ کیا اس میں بھی محض ان کی نفس پرستی اور جذبۂ رشک و حسد کو دخل تھا۔ حضرت یوسف سے انہیں اس لئے عداوت اور کد ہوئی کہ وہ باپ کی نگاہ میں غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے نفس نے انہیں یہ تدبیر سجھائی کہ وہ حضرت یوسف کے ساتھ اتنا سنگین معاملہ کر گزریں۔

---

[1] اس آیت کے ترجمہ میں اس مفہوم کی رعایت کی گئی جو ابو مسلم کے اقتداء میں مولانا آزاد نے اختیار کیا ہے (ض)

اور ان کا قصہ تمام کر ڈالیں تاکہ باپ کی ساری توجہات کا مرکز وہی بن جائیں حالانکہ اس طرح وہ اپنے کو اور زیادہ ذلیل اور بے وقعت بنا رہے تھے کیونکہ باپ کی نظر میں ان کی عزت و عظمت اس وقت بڑھ سکتی تھی جب وہ بھی حضرت یوسف کی طرح عمدہ خصلتوں اور اچھی عادتوں کے مالک اور بالکل بے غرض اور بے نفس ہو جاتے لیکن انہوں نے جوشِ حسد سے مجبور ہو کر نہایت غلط اقدام کیا۔ قرآن نے صاف صاف ہمیں بتایا ہے کہ یہ سب ان کے نفس کا کرتوت تھا۔

وَجَآءُوْا عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ، قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔

(یوسف ۵۳)

اور (جب) وہ لوگ اس کی قمیص پر جھوٹ ہی خون لگا کر لائے تو حضرت یعقوب نے کہا تمہارے جی نے ایک معاملہ گڑھ لیا ہے۔ اب صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

دنیا میں خون و خرابہ کا جو سب سے پہلا واقعہ ظہور میں آیا وہ بھی خباثت نفس کا نتیجہ تھا۔ آدم کے دو بیٹوں نے قربانیاں کیں۔ خدا نے ایک کی قربانی کو شرف قبولیت بخشا اور دوسرے کی قربانی کو قبول نہیں کیا جس کی قربانی نہیں قبول ہوئی تھی اس کا جذبۂ نفسانیت بھڑک اٹھا اور اس نے اپنے اس بھائی کو قتل کر ڈالا جس کی قربانی قبول ہوئی تھی چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (مائدہ ۳۰)

اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل کی راہ سجھائی چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو گیا۔

غرضیکہ انسان کی تمام گمراہیوں، خرابیوں اور خدا فراموشیوں کی فہرست پر اگر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو یقین ہے کہ ان سب کا سرچشمہ اور منبع انسان کا یہی نفس ثابت ہوگا۔ اسی کے فریب اور اسی کی خواہشات کی تکمیل کو مقصودِ زندگی بنا لیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا اگر اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس کی بے شمار مثالیں اس میں ملیں گی۔ ہم طوالت سے بچتے ہوئے اس نقطۂ نظر سے بھی چند آیتیں بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَمَنْ یَّھْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰہُ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ (روم - ۲۹)

بلکہ ظلم کرنے والوں نے بغیر کسی علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے تو جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اسے کون ہدایت دے سکتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کے مددگار نہیں ہوتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظلم (اپنے وسیع مفہوم میں) کرنے والے اپنی اَھوا اور خواہشات کے پابند ہوتے ہیں۔

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ (جاثیہ - ۲۳)

کیا تو نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا الٰہ بنایا اور اللہ نے اسے بربنائے علم گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگائی - اور نگاہ پر پردہ ڈال دیا۔ اب اسے اللہ کے بعد کون راہ دکھلائے گا کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے۔

دیکھئے اس آیت میں وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ الخ کا جملہ بطور نتیجہ اور دلیل کے لایا گیا ہے یعنی جب انسان اپنے نفس اور خواہشات کو اپنا معبود قرار دے لیتا ہے تو اس کے بعد ضلالت وغوایت کے تمام دروازے اس کے لئے وا اور ہدایت وسعادت کی ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

اِنْ ھِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَھْوَی الْاَنْفُسُ۔ (نجم - ۲۳)

یہ تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کے دیئے ہوئے صرف نام ہیں ورنہ اللہ نے ان کا کوئی ثبوت نہیں اتارا ہے بے شک یہ لوگ صرف ظن وگمان اور خواہشاتِ نفس کا اتباع کرتے ہیں۔

دیکھئے انسان مشرکانہ توہمات اور غلط کاریوں میں اس لئے پڑ جاتا ہے کہ اس کی خواہشات اسے بے بصیرت بنا دیتی ہیں۔

مشرکین کے اعراض اور یہود ونصاریٰ کی شرارت وحماقت کے اسباب اس سے پہلے گذر

چکے ہیں سورۂ قمر کی درج ذیل آیت بھی اس پر روشنی ڈالتی ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ (قمر ۲، ۳)

اگر وہ کوئی نشان دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آنے والا جادو ہے پس ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنے خواہشات کی پیروی کی اور ہر کام کا ایک مقرر وقت ہے۔

یعنی واضح نشانات اور صریح ثبوتوں کے بعد اعراض اور حماقت کی باتیں کرنا اور تکذیب پر آمادہ رہنا نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے بلکہ اتباع شہوات اور ہوائے نفس کی دلدادگی کا نتیجہ ہے۔ (باقی آئندہ)

تزکیۂ نفس

اسلامی تصوّف کی صحیح حقیقت

سمجھنے اور زندگی میں علم و عمل کا تزکیہ حاصل کرنے لئے اس کتاب کا ضرور مطالعہ کیجئے

مولانا امین احسن اصلاحی

نے قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریق اس کتاب میں بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے

قیمت :- ۳،۷۵ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ میثاق۔ رحمانپورہ۔ اچھرہ۔ لاہور ۱۲

اقتباسات وتراجم

جناب خالد مسعود صاحب

سائنس کا اعتراف حقیقت

(یہ مضمون جی۔ ڈی۔ مورلیسن ادارہ تعلیم وتحقیق ڈھاکہ یونیورسٹی کے ایک مقالہ What has science done for Religion کا ترجمہ ہے۔ مترجم)

سائنس نے پچھلے چند سالوں میں اس قدر ترقی کی ہے کہ ہمارے آباواجداد اس کا تصور بھی نہ کرسکے تھے۔ ایک قول کے مطابق گذشتہ پچاس برس کی ایجادات ان ایجادات سے زیادہ ہیں جو اس سے پہلے کے پورے انسانی دور میں ہوئی ہیں۔

سائنس کی اس شہرت اور سائنس دانوں کی اس عزت افزائی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ زندگی کے مسائل کے حل کے لیے اب انہی پر اعتماد کرنے کا رجحان پیدا ہوچلا ہے۔ اب سائنس سے یہ امید کی جارہی ہے کہ یہ انسان کے لیے وافر اسباب عیش وراحت مہیا کردے گی۔ جسمانی امراض کے علاج کے لیے جادو اثر دوائیں حاصل کرنے کی خاطر بھی اب اسی کی طرف نظریں اٹھ رہی ہیں، شباب کی حفاظت کے لیے بدنما جلد کی تبدیلی اب پلاسٹک سرجری سے ہونے لگی ہے ——— ایٹمی قوت کے ذخیرے دشمنوں کی مدافعت کے ساتھ ساتھ خوشحال زندگی بسر کرنے کا سامان بنانے کے کام میں لائے جاتے ہیں۔ سائنس کے اوپر اس درجہ اعتماد آخر اس عامی انسان کے ذہن پر کیا اثر ڈالے گا جو نہ سائنس سے واقف ہو اور نہ مذہب سے؟

ظاہر ہے کہ وہ تو سائنس کو موجودہ زمانے کا ایک دیوتا سمجھے گا اور اس کا احساس یہ ہوگا کہ جو بھی اس دیوتا کو پالے وہ سب سے بے نیاز ہوجائے گا۔ اسی طرح بیشتر مذہبی رہنما، خصوصاً وہ جو سائنس سے ناواقف ہوں، سائنس کو بالکل مادی اور غیر روحانی سمجھ کر اس پر دنیادار اور غیر خدائی ہونے کا الزام لگادیں گے۔ اب ہم سائنس کے بعض نتائج تحقیق کا مطالعہ کرکے یہ دیکھیں گے کہ آیا ان میں سے کوئی بھی انداز

فکر قوانین فطرت کی روشنی میں اپنے اندر واقعی کوئی وزن رکھتا ہے۔

فلکیات کے ماہرین بتاتے ہیں کہ نظام شمسی جس میں ہماری زمین، دوسرے سیارے اور سورج فضا میں کروڑوں میل تک پھیلے ہوئے ہیں، دراصل ایک عظیم کہکشاں کا ایک معمولی سا حصہ ہے۔ یہ کہکشاں اتنی وسیع ہے کہ وہ کروڑوں میل کی اکائی جس سے ہم سورج کا فاصلہ ناپتے ہیں، اس کی پیمائش میں کچھ کام نہیں دیتی۔ اس کے فاصلہ کی پیمائش کے لیے "سالِ نور" کی اکائی استعمال ہوتی ہے یعنی وہ فاصلہ جو روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ایک سال میں طے کرتی ہے۔ ہماری کہکشاں کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک فاصلہ ایک لاکھ سال نور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کہکشاں کے دوسرے کنارے پر کوئی ستارہ جل جائے تو ہماری جدید ترین دوربینوں کو اسے دریافت کرنے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے اب تک کے عرصہ کی نسبت پچاس گنا زیادہ عرصہ درکار ہوگا۔ علم فلکیات کی اس تحقیقات کے نتائج سن کر ہم ابھی تصورات کی دنیا سے نہیں نکل پائے کہ سائنس دان یہ انکشاف بھی کر دیتے ہیں کہ کہکشاں کائنات میں صرف ایک ہی نہیں ہے۔ بلکہ مزید اتنی کہکشائیں موجود ہیں کہ اگر دنیا کا ہر بچہ بوڑھا، مرد، عورت ایک ایک کہکشاں کو اپنی ذاتی جاگیر بنانے کا خواہشمند بھی ہو جب بھی یہ ختم نہ ہوں گی۔

اس لامتناہی کائنات سے ہٹ کر اب ہم ایک بے حد چھوٹے اعجوبے کی طرف لوٹتے ہیں۔

انسانی مادۂ تولید کے خلیوں میں انتہائی باریک ذرات موجود ہوتے ہیں۔ ان ذرات ( ) کی شکلیہ فرد کی تمام خصوصیات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہ ذرات اس قدر چھوٹے ہیں کہ اگر زمین پر بسنے والے تمام انسانوں سے یہ جمع کر لیے جائیں تو اکٹھے ہو کر یہ ایک چمچہ بھر میں آ جائیں۔ یہ بات کہ خوردبینوں سے نظر نہ آنے والے یہ ذرات زمین پر کی انسانی زندگی کو کنٹرول میں رکھتے ہیں، ایک زبردست خلاقانہ دماغ کے عظیم منصوبے کی مثال ہے جس کا فانی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

چمگادڑ کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس حقیر جانور میں یہ پراسرار قوت موجود ہے کہ یہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں دوسرے چمگادڑوں یا اشیاء سے ٹکرائے بغیر اڑ سکتا ہے۔ پرواز کے دوران میں اس کے کھلے منہ میں سے بہت تیزی سے آوازیں نکلتی ہیں، جنھیں انسانی کان نہیں سن سکتے۔ یہ آوازیں دوسری اشیاء سے ٹکرا کر چمگادڑ کے حساس کانوں تک واپس پہنچتی ہیں تو اسے دوسری اشیاء

کی موجودگی کا احساس ہو جاتا ہے۔ چمگادڑ میں راڈر[1] کا یہ نظام اتنا مکمل ہے کہ انسان ٹنوں فولاد اور برقی اوزار استعمال کر کے بھی اتنا مکمل نظام نہیں بنا سکا۔

پرندوں کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے والوں نے ہمیں بتایا ہے کہ جزائر الیوشار (Aleu tian Islands) کا ایک موسمی پرندہ سال کا ایک موسم جزائر ہوائی (Hawaiian Islands) میں گزارتا ہے۔ یہ پرندے بحرالکاہل کے اوپر ہزاروں میل پرواز کر کے اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس بحری سفر کا رخ متعین کرنے میں اگر یہ پرندے درجے کی ایک کسر کی غلطی بھی کر دیں تو یہ کبھی جزائر ہوائی تک نہ پہنچ سکیں۔ اس پرواز کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ جب یہ پرندے پرواز شروع کرتے ہیں تو ان کے چھوٹے بچے پرواز کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور بڑے پرندے سے کئی ہفتے بعد یہ اپنا سفر شروع کر کے اپنی منزل مقصود کو پہنچتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ہمراہ کوئی رہنما نہیں ہوتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چمگادڑ کے جسم میں راڈر کے نظام کی ایجاد اور پرندوں کو عبور بحرالکاہل میں رہنمائی آخر کس سائنسی ذہن کا نتیجہ ہے؟ کیا اس میں خود چمگادڑ یا پرندوں کا بھی کوئی ہاتھ ہے؟ اس سوال پر ایک مثال کے ذریعے غور کرنا چاہیئے۔ فرض کیجیئے آپ نے پہلے کبھی وقت کی گھڑی نہیں دیکھی۔ اب اچانک آپ اسے اپنی میز پر موجود پاتے ہیں۔ اس پر آپ کا پہلا ردعمل کیا ہوگا؟ کیا آپ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ محض اتفاق سے کچھ سوئیاں، سپرنگ اور چرخیاں فضا سے آگریں اور ایک جگہ اکٹھی ہو کر ایک خاص شکل میں تبدیل ہو گئیں؟ اس کی نسبت زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ آپ گھڑی کے مخصوص اور پیچیدہ نمونے کو دیکھ کر اس نتیجہ تک پہنچیں گے کہ یہ خاص ترتیب کسی مقصد کے تحت ہوئی ہے۔ غالباً آپ یہ نتیجہ بھی نکال لیں کہ کسی سمجھ دار آدمی نے اسے بنایا ہوگا اور اگر آپ میں تجسس زیادہ ہو تو شاید آپ اس کے بنانے والے کے تعین کے بھی درپے ہو جائیں۔ کائنات میں جو ترتیب پائی جاتی ہے وہ اتنی پیچیدہ اور اتنی اثر آفرین ہے کہ اس کے مقابلہ میں آدمی کی بنائی ہوئی گھڑی پتھر کی چکی کی قسم کی ایک ایجاد معلوم ہوتی ہے۔ کائنات کے نظم و ضبط کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ اس کائنات کا ایک موجد و مدبّر ہے جس کی عقل، دور بینی اور قوت کا ہماری چشم تصور احاطہ ہی نہیں کر سکتی۔ میں اگرچہ اپنے آپ کو سائنس دان نہیں سمجھتا لیکن چونکہ مجھے آج کل کی

---

[1] راڈر ایک ایسا آلہ ہے جو کافی فاصلہ پر سے دشمن کے ہوائی جہازوں کی نقل و حرکت کی سمت معلوم کر لیتا ہے۔ (ع۔م)

ترقی یافتہ سائنس سے دلچسپی ہے، اس لیے ہیں بھی سائنس دانوں کے اس نظریہ سے اتفاق کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سائنس کی نسبتوں کے اسباب و نتائج کو وہ ایک حد خاص تک ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جو کچھ اس حد سے آگے ہے وہ ایک لامحدود اور حیرت انگیز نامعلوم سلطنت ہے جس کے عظیم منصوبے کو ایک مافوق ذہن چلا رہا ہے۔ اسی عظیم مدبر کو لوگ اللہ، خدا یا خالق کے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔

سائنس نے ہمیں بتایا ہے کہ خالق کائنات خدا کی ذات ہے۔ اس کی دلچسپی صرف اسی قدر نہیں کہ وہ ہمارے تنفس کے لیے محض ہوا پیدا کر کے غافل ہو جاتا ہے بلکہ اس نے ہوا کو ایک خاص فارمولے کے مطابق رکھنے کے لیے پودوں اور جانوروں کو ذریعہ بنایا ہے۔ یہ خدا تمام انسانوں کے ساتھ یکساں انصاف کرتا ہے۔ اس کی کائنات نہایت قابل اعتماد ہے کیونکہ یہ مقررہ اصولوں کے مطابق چل رہی ہے۔ ان اصولوں کا مطالعہ کر کے ہم طلوع آفتاب اور چاند گرہن کے اوقات کا پہلے سے تعین کر سکتے ہیں، ایک خاص درجہ حرارت تک گرم کی ہوئی لوہے کی سلاخ کے پھیلاؤ کے بارے میں پیشین گوئی کر سکتے ہیں، موروثی صفات کے واسطے سے ہم اپنے ابتدائی آبا و اجداد کی خصوصیات کا پتہ لگا سکتے ہیں اور مجھے یہ معلوم کر کے اطمینان ہوتا ہے کہ میں حقیقتاً تمام انسانوں کا بھائی اور عیال اللہ میں سے ہوں۔

فطرت کے قوانین سیکھنے کا ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ ہم انہیں یاد کر لیں۔ مثلاً ہم یہ مطالعہ کر سکتے ہیں کہ اگر ہائیڈروجن گیس کے دو جوہر آکسیجن گیس کے ایک جوہر کے ساتھ مل جائیں تو نتیجتاً پانی وجود میں آتا ہے۔ لیکن اگر ہم اس قانون کو مزید گہرائی کے ساتھ سمجھنا چاہیں تو ہم اس فارمولے کو تجربہ گاہ میں آزما سکتے ہیں۔ اس فارمولے سے ہٹ کر کسی دوسرے فارمولے سے پانی نہیں بن سکے گا۔ لہٰذا یہ فارمولا ایک قابل اعتماد فارمولا ہے۔ دنیا کی جاندار چیزیں اور تمام کائنات اسی طرح کے کئی قوانین سے منضبط ہے۔ اگر ہم ان قوانین کو سمجھ لیں اور ان کا لحاظ رکھیں تو کتنی مشکلوں سے بچ سکتے ہیں۔ مثلاً ہم گرتے ہوئے پتھر کی راہ سے ہٹ سکتے ہیں، آگ سے اپنے ہاتھوں کو دور رکھ سکتے ہیں اور پانی کی جگہ کاربالک ایسڈ پینے سے بچ سکتے ہیں۔

خدا نے اسی طرح کئی اور قوانین بنائے ہیں جنہیں ہم سائنس کی خاص اصطلاح کے مطابق سائنس پر مبنی نہیں کہہ سکتے۔ یہ معاشرتی اور روحانی قوانین ہیں اور آفات و حوادث سے بچنے کے

لیے ان قوانین کا لحاظ رکھنا بھی ہمارے لیے اسی طرح لازم ہے جس طرح طبیعی قوانین کا۔ خدا کا ایک قانون یہ ہے کہ "دوسروں سے وہی سلوک کرو جس سلوک کے دوسروں سے پانے کے تم خود متمنی ہو"۔ الفاظ کی معمولی تبدیلیوں کے ساتھ یہ قانون مسلمانوں، ہندوؤں، بدھوں، عیسائیوں حتیٰ کہ تمام بڑے چھوٹے مذاہب کا قانون ہے۔ اگر ہم اس قانون کو مکمل طور پر سیکھنا چاہیں تو اس کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ ہم اسے زبانی یاد کر لیں بلکہ بازاروں، تعلیم گاہوں اور گھروں کی تجربہ گاہوں میں ہمیں اس پر عمل کرنا ہوگا۔ عمل بھی صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار کرنا ہوگا اس لیے کہ معاشرتی قوانین میں حالات تبدیل ہو ہو کر آتے ہیں جو قوانین پر عمل کرنے میں مانع ثابت ہوتے ہیں مثلاً فرض کیجیے کہ ہم ایک دوست کو روزگار دلواتے ہیں اور پھر اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بھی ہمیں بہتر ملازمت دلوائے تو قانون کا یہ تجربہ کامیاب نہیں ہوگا اس لیے کہ اس تجربہ میں خود غرضی کے غیر متعلق جزو کی آمیزش ہو گئی ہے۔

دوسرا سماجی و روحانی قانون یہ ہے کہ "ہمیں تمام انسانی تعلقات میں ایماندار ہونا چاہیئے"۔ اس قانون پر سوسائٹی کے امن و سکون کا انحصار ہے۔ اس کا لحاظ رکھنا بھی ہمارے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا قانون کشش ثقل کا لحاظ رکھنا۔ اگر صرف اسی ایک قانون پر بھی عمل شروع ہو جائے تو پوری قوم اور پوری دنیا میں انقلاب آجائے گا۔ اس کے نتیجے میں فوج، پولیس اور عدالتوں کے اخراجات کی جو بچت ہونے لگے گی اس سے قوم کا معیار زندگی بلند کیا جا سکتا ہے۔ ہر آدمی کو اپنے ماحول کی ایمانداری کو دیکھ کر جو سکون و اطمینان حاصل ہوگا وہ بجائے خود ایٹمی طاقت کے برابر کی ایک طاقت ہوگا۔ اس قانون کی اہمیت کا یقین اسی آدمی کو ہو سکتا ہے جو روز مرہ کی زندگی میں اس کا تجربہ کرے۔

جب ایک سائنس دان اپنے پیشے کے لیے کوئی مفید کام کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے خاص میدان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے سالہا سال مطالعہ کرتا ہے۔ تمام لوگ مانتے ہیں کہ کئی سال کی تعلیم کے علاوہ سائنس کا علم حاصل کرنے کا کوئی آسان ذریعہ نہیں۔ سماجی و روحانی قوانین کا علم حاصل کرنے کے لیے اگر ہم اس سے کم تر درجے کی محنت کو کافی سمجھ لیں تو کیا یہ ایک منطقی بات ہوگی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ سماجی قوانین میں تغیر پذیر حالات کی کثرت کی وجہ سے اتنی پیچیدگیاں پیدا

ہوتی ہیں کہ انہیں سمجھنے کے لیے آدمی کو طبیعی قوانین کی نسبت زیادہ گہرا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔

والدین کو اپنے بچے کی بہبود کا خیال ہو تو وہ اس کے علاج اور خوراک کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی طرح سمجھ دار والدین بچے کی ٹھیک ذہنی نشو و نما کے لیے اس کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔ اسی بنا پر کیا والدین کو بچے کی روحانی تربیت کا بھی پورا پورا خیال نہ ہونا چاہیئے تاکہ بچہ اس میدان میں بالکل جاہل نہ رہ جائے؟ ہماری اعلیٰ تعلیم کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ ہم آدمی کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کی نشو و نما کے لیے اونچی ڈگریاں ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے برعکس ہم روحانی تعلیم کی معمولی سند پر ہی مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ صرف مذہبی رسوم کی ادائیگی صحیح روحانی ترقی کے لیے کافی ہے۔ ہر وہ مذہبی تعلیم جو آدمی کے اخلاق کو نہیں سنوار سکتی، اسی طرح فرسودہ ہے جس طرح کسی کو یہ تعلیم دینا کہ زمین چپٹی ہے۔ ایک ایسا خدا جو کائنات کی تخلیق و تدبیر کے لیے دانائی رکھتا ہے ایسی روحانیت کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا جس کی بنیاد محض اوہام یا وجدان پر رکھ دی گئی ہو۔ خدا خود بڑا با اصول ہے اس لیے اس کی ہی تعلیم ہونی چاہیئے کہ ہم اس کے تمام طبیعی، سماجی اور روحانی قوانین کو نہایت با اصول طریقے سے سمجھیں۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ سائنس نے مذہب کے لیے کیا کیا ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولاً اس نے ایک ایسے قادر مطلق اور علیم و خبیر خدا کے وجود کی طرف رہنمائی کی ہے جو ایک لامتناہی اور حیرت انگیز منصوبہ کی نگرانی کر رہا ہے۔ ثانیاً اس نے ہمیں سماجی و روحانی قوانین کے جانچنے کا اسی طرح کا طریقہ بتایا ہے جس طریقہ کو ایک کیمیا دان اپنی تجربہ گاہ میں استعمال کرتا ہے۔ ثالثاً سائنس دانوں کا عمل اس پر دلیل ہے کہ حصول علم کا کوئی قریبی راستہ نہیں ہے۔ روحانی حکمت بھی فاضلانہ اور مسلسل طریقے ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

دینی اور علمی کتابیں

جب بھی آپ کو کسی ادارہ یا پبلشر کی شائع کردہ کسی دینی اور علمی کتاب کی ضرورت ہو تو ہمیں آرڈر دیں۔ فرمائش کی فوری تعمیل کی جائے گی۔

مینیجر مکتبہ میثاق۔ رحمان پورہ۔ اچھرہ۔ لاہور۔ ۱۲

تقریظ وتنقید

طوفان سے ساحل تک

تالیف : علامہ محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس)
ترجمہ وتلخیص: سید محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی لکھنؤ
شائع کردہ : مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ۔

یہ کتاب علامہ محمد اسد کی مشہور انگریزی تالیف THE ROAD TO MECCA کا اردو ترجمہ وتلخیص ہے۔ فاضل مترجم نے گو اصل کتاب کے بعض اجزا نہیں دیئے تاہم زیر نظر کتاب میں تسلسل قائم ہے اور عموماً قطع وبرید کا احساس نہیں ہوتا۔

"طوفان سے ساحل تک" علامہ اسد کی پر لطف اور اثر انگیز آپ بیتی ہے۔ علامہ اسد پولینڈ کے ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے اور خالص مذہبی ماحول میں پرورش پائی۔ جوانی میں گھر سے باہر نکلے اور اخبار نویسی اختیار کی۔ اسی دوران میں ان کے حساس دل نے مغربی ماحول کی خود غرضی اور تسکین قلب کے فقدان کا اثر لیا اور وہ اس کے اسباب پر غور کرنے لگے۔ بالآخر انہوں نے مغرب کے غلط نظریات اور غلط نظام حیات کو اس صورت حال کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس نتیجے تک پہنچ کر انہیں اصل حقیقت کی جستجو ہوئی۔ انہوں نے اہل فکر ودانش سے اس موضوع پر گفتگوئیں بھی کیں اور فلسفہ بھی پڑھا لیکن کسی طرح اطمینان نہ ہوا۔ بعد میں انہیں عرب ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں انہوں نے یہ محسوس کیا کہ جس دولت سے اہل مغرب محروم ہیں وہ دولت عرب ممالک کے غریب مسلمانوں کو حاصل ہے اور یہ کہ جن مسائل کا جواب حاصل کرنے کی وہ جستجو کر رہے تھے، ان کا جواب اسلام مہیا کرتا ہے یہی مشاہدہ بالآخر ان کے قبول اسلام کا ذریعہ بنا۔

"طوفان سے ساحل تک" میں علامہ اسد نے اپنے اس ذہنی سفر کی داستان لکھی ہے۔ یہ کتاب کیسی ہے اور پڑھنے والے پر کیا اثر ڈالتی ہے؟ اس سوال کا جواب خود دینے کے بجائے ہم مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے الفاظ مستعار لیتے ہیں۔ وہ اسی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"جب مجھے ایک سفر کی فرصت میں کتاب کے عربی ترجمہ الطریق الی مکۃ کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقع ملا تو میں مصنف کی نفسیات شناسی، بالغ نظری اور حکمتِ دعوت کا قائل ہو گیا کہ انہوں نے اسلام کی دعوت ایسے حکیمانہ انداز میں دی ہے کہ یہ کتاب مغرب کے باشندوں اور ہندوستان کے غیر مسلموں کے لئے اسلام اور اسلامی تہذیب کے سمجھنے کے لئے ایک اچھی تقریب اور تمہید بن گئی ہے۔ اس میں ناول کا لطف اور کہانی کی دلآویزی بھی ہے اور علم و فلسفہ کی سنجیدگی اور معلومات کا ذخیرہ بھی، سادگی بھی ہے پرکاری بھی۔ تفریح کا سامان بھی ہے اور زندگی کی رہبری اور انقلاب آفرینی کی صلاحیت بھی۔"

ہمارے خیال میں یہ کتاب مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کے سلسلہ مطبوعات میں بالخصوص اور دین کے لئے مفید کتابوں کی فہرست میں بالعموم ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ کتاب مجلد ہے کتابت و طباعت عمدہ ہے کہیں کہیں پروف کی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ۲۸۷ صفحات کی اس کتاب کی قیمت پانچ روپے ہے۔ (خ۔م)

صراطِ مستقیم

تالیف : سردار محمد اکبر خاں صاحب

شائع کردہ : تعمیری کتب خانہ، اردو بازار، راولپنڈی۔

صفحات : ۱۹۲ قیمت : ڈیڑھ روپیہ

اس کتاب کے مصنف ایک ایسے بزرگ ہیں جن کی عمر دین کے مطالعہ اور امت مسلمہ کی اصلاح و بیداری کی مصروفیتوں میں گزری ہے۔ تحریک خلافت کے زمانہ سے لے کر اب تک

محترم مصنف پر کوئی ایسا دور نہیں آیا جب وہ اصلاحِ ملت کے فریضہ سے غافل ہوئے ہوں۔ زیر نظر کتاب بھی ان کی اسی فرض شناسی اور ملت دوستی کا نتیجہ ہے۔

صراط مستقیم دراصل سورۂ فاتحہ کے مطالب کی تشریح ہے جسے محترم مصنف نے کتب تفسیر کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ، جو قرآن مجید کا خلاصہ ہے کے مطالب اس طریقہ سے واضح کر دیئے جائیں کہ صحیح عقائد اور دین اور غیر دین کا فرق ایک قاری پر واضح ہو جائے اور وہ دین کی حدود سے واقف ہو کر اپنی آخرت بنانے کی فکر کر سکے۔

محترم مصنف نے اپنے مقصد کو بڑی خوبی سے پیش نظر رکھا ہے اور کتاب کی ترتیب ایسی ہے کہ اس کے مطالعہ سے دین کے بنیادی عقائد کا ضروری علم حاصل ہو جاتا ہے۔ خدا اور بندے کے تعلق کی تفصیل میں جہاں محترم مصنف نے توحید و شرک اور دعا و استعانت کی توضیح کی ہے وہیں صبر و شکر، توکل اور توبہ وغیرہ کی بھی وضاحت کی ہے۔ دعا و استعانت کے موضوع پر مؤلف نے جو مواد جمع کیا ہے وہ بہت کارآمد ہے۔

محترم مصنف کے اندازِ بیان کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے کتاب کی اصل بنیاد قرآن مجید پر رکھی ہے اور اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لئے نہ صرف حدیث شریف سے مدد لی ہے، بلکہ علامہ اقبال، مولانا روم، شیخ سعدی وغیرہ کے کلام میں سے جو مفید چیز انہیں ملی ہے انہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کے نتیجہ میں عوام کے لئے ایک نہایت کارآمد چیز پیش کر دی ہے ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب پسند کی جائے گی اور فاضل مصنف کے لئے یہ ایک توشۂ آخرت ثابت ہوگی۔

(خ۔م)

اسباب زوال امت

تالیف: علامہ امیر شکیب ارسلان　　صفحات: ۱۲۸　　قیمت ڈیڑھ روپیہ

شائع کردہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

یہ کتاب زیادہ تعارف کی محتاج نہیں۔ آج سے تیس سال قبل کی تالیف ہے اور

علامہ شکیب ارسلان کے زورِ قلم اور بے باکانہ تنقید کا ایک نمونہ ہے۔ جاوا کے ایک عالم کے استفسار کے جواب میں مصنف نے اس اہم مسئلہ کا بڑی خوبی سے تجزیہ کیا ہے کہ مسلمان قوم جو کسی زمانے میں بام عروج پر متمکن رہی اب کیوں ادبار کا شکار ہے۔ فاضل مصنف نے زوالِ امت کے ایک ایک کر کے تمام اسباب گنائے ہیں اور مسلمانوں کی حالیہ تاریخ سے بڑی افسوسناک مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

کتاب بڑی اثر انگیز ہے اور قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے اور ہماری رائے میں یہ اس کتاب کی بڑی خوبی ہے۔ بعض ضمنی باتوں میں تبصرہ نگار کو فاضل مصنف سے اختلاف ہے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: "دینِ اسلام صرف عمل و محنت کا دین ہے، نہ کہ قضا و قدر اور کاہلی کا" تبصرہ نگار اس بات کو بھی اور فقرہ کے مزاج کو بھی صحیح نہیں سمجھتا ہے۔ مندرجہ بالا نتیجہ اخذ کرنے کے لئے مصنف نے صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۳ پر جو آیات نقل کی ہیں، ہماری رائے میں وہ بالکل بے محل ہیں۔ اسلامی تہذیب کا تعارف کراتے ہوئے انہوں نے رشید و مامون کے "بے نظیر" بغداد "آج کل کے یورپ کو مات کرنے والے" قیروان، تلمسان اور مراکش "یورپ کی دلہن" قرطبہ اور "زہرا اور الحمرا کے محوِ حیرت کرنے والے محلات" کا جو حوالہ دیا ہے، صحیح طرزِ فکر کی عکاسی نہیں کرتا کیونکہ اسلام کی عظمت اور تہذیب و تمدن کی تلاش کے لئے اس سے مختلف میدان اور مختلف نقطۂ نظر چاہیئے۔

تاہم کتاب کا مطالعہ مفید ہے اور امتِ مرحومہ کے زوال کے اسباب جاننے کے لئے اسے ضرور پڑھا جانا چاہیئے۔ کتاب مجلد مع گرد پوش ہے اور معمولی کاغذ پر چھپی ہے۔ (خ۔م)

دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار

انبیاء علیہم السلام کے طریقِ تبلیغ و دعوت کو سمجھنے کے لئے ایک بہترین تصنیف

از مولانا امین احسن اصلاحی قیمت ۳/۷۵ روپے

مکتبہ میثاق۔ رحمانپورہ۔ اچھرہ۔ لاہور۔۱۲

حیات شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

محمد ابوزہرہ (فواد یونیورسٹی مصر) نے کئی سال کی محنت شاقہ سے امام ابن تیمیہؒ کے سوانح پر ایک معرکۃ الآرا کتاب تصنیف کی ہے۔ جسے ملک کے نامور مترجم و ادیب جناب رئیس احمد جعفری ندوی نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

اس کتاب میں امام صاحب موصوف کے مکمل حالات زندگی یعنی درس و تدریس، تجدیدی کارنامے، جہاد، مناظرے، رد شرک و بدعت، قید و بند اور وفات تک کا تذکرہ موجود ہے۔ اس موضوع پر اتنی جامع ٹھوس اور پر از معلومات کتاب آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ ابن تیمیہؒ کو جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ کتابت طباعت اعلیٰ، مجلد، ٹائیٹل دیدہ زیب، صفحات تقریباً ۹ سو۔ قیمت: اکیس روپے۔

حیات امام احمد بن حنبلؒ

یہ کتاب مصری فواد یونیورسٹی کے پروفیسر، محمد ابوزہرہ کی، امام احمد بن حنبلؒ کی زندگی پر، ایک عربی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے۔ اردو میں اس کو سید رئیس احمد جعفری نے منتقل کیا ہے۔

اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد امام احمد بن حنبل کی زندگی پر بہت سی دوسری کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس میں امام صاحب کی زندگی پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

کتاب دیدہ زیب — کتابت و طباعت اعلیٰ

کاغذ گلیز، گردپوش خوشنما — قیمت : دس روپے

المکتبۃ الرحمانیہ ۱۲ اے۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

محی الدین پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر میثاق ۱۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے شائع کیا

Regd. No. L. 7360

Monthly MEESAAQ Lahore

FEBRUARY, 1962

چند اہم مطبوعات

تصانیف مولانا حمید الدین فراہی رح

مفردات القرآن	1.25	جمہرۃ البلاغہ	1.37

(اردو تراجم):

مقدمہ تفسیر نظام القرآن	0.75	تفاسیر فراہی	14.00
اقسام القرآن	1.13	ذبیح کون ہے؟	1.50

مطبوعات دیگر مصنفین

حیات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	22.50	(آنحضرتؐ) سیرت ابن ہشام	10.00
ابوبکرؓ صدیق اکبر	10.00	عمرؓ فاروق اعظم	20.00
حیات امام احمد بن حنبل رح	10.00	امام اعظم رح	4.00
حیات امام مالک رح	10.00	حیات امام شافعی رح	12.00
حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح	10.00	قادیانیت	4.00
زاد سفر (حصہ اول)	3.75	Islam and the World	4.00

★

ملنے کا پتہ :

مکتبہ میثاق - رحمانپورہ (اچھرہ) لاہور-12

سرورق جدید اردو ٹائپ پریس لاہور میں طبع ہوا